سوانحہ
حیات عظمت العلماء

خلیفہ مجاز حضور تاج الشریعہ الحاج پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا الحافظ الحاج مفتی سید محمد عظمت علی قادری نوری رحمہ اللہ تعالی علیہ



مرتب:

جانشین عظمت العلماء اجناب الحافظ و القاری مولانا پیر سید محمد فرحان علی شاہ قادری

انتساب:

ادارہ نشر و اشاعت عظمتُ العلماء

اور میرے محترم برادران:

جناب صاحبزادے سید محمد نعمان علی قادری،

جناب سید محمد احسن علی قادری،

میرے جگر گوشے:

سید محمد حسن علی،

میری مشفق و محترم والدہ ماجدہ،

میرے تمام گھر والے جنہوں نے قدم قدم پر میری بھرپور معاونت فرمائی،

اور بالخصوص:

مولانا سید محمد شہباز علی قادری رُوحِ رواں ادارہ

اور میرے محترم چچا **سید محمد صابر علی** / سید محمد انوار علی

کی نذر جن کی دعاؤں، رہنمائی، اور اخلاص کے بغیر یہ علمی و روحانی سفر ممکن نہ تھا

دیباچہ

“سفرِ عظمت”

فقط ایک سوانحی خاکہ نہیں، بلکہ ایک فکری، روحانی، اور تحریکی روداد ہے جو ایک عظیم عالمِ دین، فقیہِ ملت، اور مُصلحِ وقت قبلِ مفتی صاحب کی حیاتِ مبارکہ کو محفوظ کرتی ہے۔

یہ کتاب ایک ایسے چراغ کی مانند ہے جو ماضی کے اندھیروں میں اُجالا کرتا ہے، حال کو سمت دیتا ہے اور مستقبل کے راستوں کو منور کرتا ہے۔ اس کی بنیاد محض یادداشت تازہ کرنے پر نہیں، بلکہ درجنوں درسی، روحانی، اصلاحی، اور دعوتی زاویوں پر کی گئی تحقیق، مکالمے، اور مشاہدے پر استوار ہے۔

ہر باب ایک الگ دنیا ہے، جو حضرت کی علمی عظمت، روحانی گہرائی، تدریسی بصیرت، فقہی بصارت، اور عوامی محبوبیت کی جھلک پیش کرتا ہے۔ اس میں ان کے قلمی شہ پاروں، فتاویٰ نویسی کے اسلوب، خطیبانہ جوش، اور سلوکی تربیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔

یہ کتاب نہ صرف علما، مشائخ اور طلبہ کے لیے بصیرت کا منبع ہے، بلکہ عوام الناس کے لیے عشق و ادب، اطاعت و خدمت، فکری بلوغت، روحانی تربیت، اصلاحِ نفس، اور تحریکی بیداری کا جامع پیغام ہے۔

“سفرِ عظمت” ایک ایسی فکری نشانی ہے جو ظاہر و باطن کو جھنجھوڑتی ہے، دلوں کو جھکاتی ہے اور ضمیر کو جگاتی ہے۔ یہ صرف ایک شخصیت کی کہانی نہیں، بلکہ ایک نسل کی رہنمائی، ایک تحریک کی تعمیر، اور ایک مسلک کی ترجمانی ہے۔

فہرست ابواب

کل ابواب: 25 ہ

خلاصہ	عنوان	باب نمبر
پیدائش، خاندان، ابتدائی ماحول	آغازِ حیات	باب اول
ابتدائی و اعلیٰ تعلیم، اساتذہ، جامعات	تعلیم و تربیت	باب دوم
فقہ، حدیث، اصول، کتب کا مطالعہ	علمی مقام	باب سوم
عوامی مسائل کے شرعی حل	فتاویٰ اور اجتہادی خدمات	باب چہارم
درسِ نظامی، شاگرد، مدارس	تدریسی خدمات	باب پنجم
بیعت، خلافت، مجازِ طریقت	روحانی سفر	باب ششم
بیرون ملک دعوت، مشرف بہ اسلام افراد	عالمی تبلیغ	باب ہفتم
جاذبِ دل تقاریر، اثرات	عوامی خطابات	باب ہشتم
فقراء، یتامیٰ، مالی امداد	رفاہی خدمات	باب نہم
روزمرہ زندگی، اخلاق	سیرت و سادگی	بابدہم
تربیت و حوصلہ افزائی	نوجوانوں سے محبت	باب گیارہ
بیانات، خصوصی نشستیں	عورتوں کی اصلاح	باب بارہ
گھریلو ماحول، تربیت	عائلی زندگی	باب تیرہ
روحانی اجازتیں، سلسلہ	خلافت و فیضان	باب چودہ
مذاکرہ، مجلس، شاگردوں کی تربیت	علمی حلقہ	باب پندرہ
تصوف، مجاہدہ، ذکر	اصلاحِ باطن	باب سولہ

باب اول

آغازِ حیات پیدائش، خاندان، ابتدائی ماحَول

حضرت علامہ مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ ایک جلیل القدر سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جن کا سلسلۂ نسب براہِ راست حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ملتا ہے۔ یہ خانوادہ علم، زہد، تقویٰ، خدمتِ دین، اور عقیدہ اہلِ سنت میں اپنی شناخت آپ تھا۔

جمعہ، 6 جون 1958ء کو لطیف آباد یونٹ نمبر 11، حیدرآباد پاکستان کی فضاؤں میں ایک ایسا چراغ روشن ہوا جس کی روشنی نے ہزاروں دلوں کو ایمان، تقویٰ، محبتِ رسول ﷺ، اور روحانیت سے منور کیا۔

آپ کے والد، حضرت قاضی بشارت علی شاہ قادری رحمہ اللہ علیہ نہایت عبادت گزار، صوفی منش اور دینی ذوق رکھنے والے بزرگ تھے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے درزی تھے، مگر ان کا سینہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ سے سرشار تھا اور وہ علم دین کی خدمت کو اپنی حیات کا مشن سمجھتے تھے۔ **وہ “بزم رضا پاکستان”** کے بانی اراکین میں شامل تھے، جس کے ذریعے انہوں نے پاکستان و ہند کے سینکڑوں علمائے کرام کو ایک فکری، مسلکی، اور تحریکی پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

حضرت قاضی صاحب کی دینیہ خدمات میں بے مثال قربانی اور اخلاص نمایاں تھا۔ وہ حضرت علامہ مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری رحمہ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت کے لیے دن رات کوشاں رہتے۔ معاشی حالات معمولی تھے، لیکن ہمت بلند تھی — اکثر کئی کئی میل کا سفر سائیکل پر طے کرتے، کبھی مدرسے کے معاملات کے لیے، اور کبھی تنظیمی فنڈنگ یا علماء کی نشستوں کے لیے۔

ان کی دوستی اور محبت کا ایک نادر باب حضرت علامہ مولانا مفتی وا شیخ الحدیث خلیل خان برکاتی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہے۔ یہ تعلق صرف دوستی نہ تھا بلکہ روحانی ہم آہنگی کا مظہر تھا۔ حضرت علامہ مولانا مفتی وا شیخ الحدیث خلیل خان برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اکثر پیدل چل کر قاضی صاحب کے پاس آتے اور علمی و تنظیمی مشاورت فرماتے۔ حضرت قاضی صاحب فرمایا کرتے:

" یہ بچہ فقط میرا بیٹا نہیں، دین کا خادم ہے — علم کے لیے جو قربانی مانگی جائے، وہ کم ہے۔"

یہی وہ بنیادیں تھیں جن پر حضرت مفتی صاحب کی عظمت کی عمارت کھڑی ہوئی محنت، اخلاص، دُعائیں، اور دور اندیش تربیت، مجموعی جھلک، والدین کی دعائیں، حسن و حیا کا عکس، اور مستقبل کی تمہید۔

حضرت کی والدہ ماجدہ نہایت باحجاب، بااخلاق، اور عبادت گزار خاتون تھیں جن کا حسن حضرت مفتی صاحب کے چہرے میں جھلکتا تھا۔ آپ کے حسن و وجاہت کا یہ عالم تھا کہ یونیورسٹی میں طالبات آپ کی طرف متوجہ ہوتیں، مگر آپ کی نگاہ کبھی نہیں اُٹھی — یہ وہ شرم و حیا تھی جو ماں کی تربیت، والد کی دعا، اور فطری وقار کا مظہر تھی۔

حضرت کے دو بھائی (سید محمد صابر علی اور سید محمد انور علی ، ایک بہن)، تین بیٹے (سید محمد نعمان علی،خلیفہ عظمت العلماء سید محمد فرحان علی، اور سید محمد احسن علی) اور پانچ بیٹیاں — سب اُن کی دینی، روحانی، اور اخلاقی تربیت کے خوشبو دار پھول ہیں۔

حضرت نے اپنی زندگی میں دو مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی، جن میں ایک بار اپنی شریکِ حیات کے ہمراہ تھے۔ علاوہ ازیں کئی عمرے بھی ادا کیے، اور ہر بار ان کے دل میں مسجدِ حرام اور مسجدِ نبوی ﷺ کے لیے بے پناہ عشق، احترام، اور روحانی خشوع موجود ہوتا تھا۔ وہ فرماتے تھے:

”حرم میں جانا صرف زیارت نہیں، دل کو مکے و مدینے کے رنگ میں رنگنے کا نام ہے۔“

ابتدائی تعلیم، پہلا مدرسہ، اور شوقِ علم

چھ سال کی عمر میں قرآن پاک کا آغاز محلے کے قاری صاحب سے ہوا۔

آپ نے نہایت کم وقت میں تجوید، تلفظ، اور تلاوت کے اصولوں پر مکمل عبور حاصل کر لیا۔

پہلا مدرسہ – جامعہ رضویہ غوثیہ:

ابتدائی تعلیم کے دوران نورانی قاعدہ، نماز، تجوید، اور اخلاقیات پڑھائی گئی

دیگر بچے کھیل میں مشغول ہوتے، حضرت کتابوں میں مگن ہوتے

نماز کے بعد اکثر بچوں کو خود سبق دہراتے، یہاں سے **“چھوٹے قاری صاحب”** کی عرفیت ملی

ابتدائی بچپن کا عکس

مفتی صاحب کا بچپن عام بچوں کی طرح کھیل کود میں نہیں گزرا۔ ان کا انداز دیکھ کر بزرگ کہا کرتے:

“یہ بچہ عام دنیا کے لیے پیدا نہیں ہوا — یہ رب کے کسی خاص کام کے لیے بھیجا گیا ہے۔”

وہ کم گو تھے، لیکن ان کی خاموشی میں ایک عجیب سا وقار ہوتا۔ کبھی والدہ کی گود میں ہوتے تو ان کی انگلیاں تسبیح کے دانوں کو پکڑنے کی کوشش کرتیں۔ گویا فطرت خود ان کے اندر ذکر و فکر کی بنیاد ڈال رہی ہو۔

ایک مرتبہ ان کے والدِ گرامی نے فرمایا:

“مجھے لگتا ہے کہ یہ بچہ ہمارے بزرگوں کی دعاؤں کا مجسمہ ہے۔”

ابتدائی رجحان: مسجد کی طرف کھنچاؤ

جب وہ صرف تین یا چار سال کے تھے، تو محلے کی مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اندر جھانکتے۔ جب بھی اذان ہوتی، وہ دوڑ کر مسجد کی طرف جاتے۔ محلے والے حیران ہوتے کہ ایسا ننھا بچہ مسجد کے ماحول سے اتنا مانوس کیسے ہو سکتا ہے؟

ایک بزرگ نے فرمایا:

“یہ بچہ جب اذان سنتا ہے تو جیسے روح اس کو کھینچ لاتی ہے۔”

بچپن ہی سے ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کے آثار نمایاں تھے۔ میلاد کی محافل میں جب نعت خوانی ہوتی تو وہ خاموشی سے محفل کے کونے میں بیٹھ جاتے اور آنکھیں بند کر کے سنتے — جیسے کسی اور ہی دنیا میں ہوں۔

گھریلو تربیت: ماں کی گود، باپ کی نظر

والدہ محترمہ نہایت نیک سیرت، عبادت گزار، اور دینی شعور سے معمور خاتون تھیں۔ ان کی گود فقط پرورش کی جگہ نہیں تھی — وہ تربیت گاہ تھی جہاں ذکر، ادب، صفا، اور شوقِ مصطفیٰ ﷺ سکھایا جاتا تھا۔

والد محترم کی شفقت میں علم کا نور شامل تھا۔ وہ اکثر بچوں کو کہا کرتے:

“علم کے بغیر رتبہ نہیں اور ادب کے بغیر علم نہیں۔”

یہی وہ ماحول تھا جس میں حضرت مفتی صاحب نے پرورش پائی — ایک ایسا ماحول جہاں گھڑیال علم کے اوقات بتاتا، اور ہوا بھی تسبیح کی تال پر چلتی محسوس ہوتی تھی۔ ایک معمارِ قوم کی زندگی میں پہلا کلمہ، پہلا حرف، پہلا استاد اور پہلا سبق کبھی بھلایا نہیں جاتا — یہی بنیادیں وہ بنیاد ہوتی ہیں جن پر آنے والے وقت کی عمارتیں کھڑی ہوتی ہیں۔ حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی نوری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیمی زندگی میں بھی وہ سب کچھ شامل تھا جو کسی روحانی، علمی اور فکری شخصیت کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

قاعدہ بغدادی اور تختی کی سیاہی:

مفتی صاحب کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز قاعدہ بغدادی سے ہوا — وہی روایتی کتاب جس سے برصغیر کے لاکھوں علما نے پہلا حرف سیکھا۔ تختی، قلم، روشنائی، اور دوات کی خوشبو ان کے تعلیمی ماحول کا پہلا منظرنامہ تھا۔ وہ ہر صبح والد گرامی کے سامنے تختی لے کر بیٹھتے اور ہر حرف کو تلفظ، تجوید اور ادب کے ساتھ دہراتے۔

ان کے والد محترم صرف قاری نہیں، روحانی معلم بھی تھے۔ وہ ہر حرف کے ساتھ ایک دعا بھی پڑھاتے:

”اَللّٰہُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ”

یہ تعلیم فقط زبان پر نہیں، دل میں اُترتی تھی۔ مفتی صاحب کو الف، ب، ت نہیں پڑھائی جا رہی تھی، بلکہ انہیں حروفِ قرآن کی عزت سکھائی جا رہی تھی۔

ناظرہ قرآن اور جذبہ فہم

کچھ ہی وقت میں قاعدہ کے بعد قرآنِ مجید کا ناظرہ شروع ہو گیا۔ استاد محترم حضرت حافظ جمیل صاحب رحمہ اللہ علیہ کا اندازِ تعلیم نہایت مؤثر، نرم مزاج، اور محبت سے لبریز تھا۔ وہ صرف الفاظ نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ آیات کے مفاہیم، ان کے پس منظر، اور اخلاقی اثرات بھی سمجھاتے تھے۔

مفتی صاحب کے اندر قرآن سیکھنے کا ایسا ذوق تھا کہ وہ روزانہ کا سبق سنانے کے بعد خود اگلے صفحات کا مطالعہ کرتے۔

ان کی والدہ اکثر فرماتیں:

”میرا بیٹا قرآن سے باتیں کرتا ہے، اور قرآن اس سے باتیں کرتا ہے۔”

نماز سے محبت، مسجد سے تعلق

ناظرہ کے دوران ہی مفتی صاحب کا رجحان عبادت کی طرف اور زیادہ ہو گیا۔ وہ باجماعت نماز کا اہتمام کرتے، اور تہجد کا وقت خود سے جاگ کر عبادت میں گزارتے۔ ایک بار ان کی والدہ نے پوچھا:

”بیٹا، تم رات کو کیوں جاگتے ہو؟”

تو جواب آیا:
"جب سب سو جاتے ہیں، تب میرا دل اللہ سے سب سے زیادہ باتیں کرتا ہے۔"

یہ انداز فقط عبادت کا نہیں، روح کی بالیدگی کا تھا۔ ان کی شخصیت میں ابتدا ہی سے روحانیت، ادب اور رجوع الی اللہ کی جھلک نمایاں تھی۔

پہلی نسبت: علم و عشق کا میل

والدِ گرامی نے اُن کے لیے فقط علمی ماحول مہیا نہیں کیا، بلکہ نسبتوں کا فیض بھی عطا کیا۔ حضرت قاضی سید بشارت علی شاہ قادری خود حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے روحانی فیضان سے وابستہ تھے۔ انہوں نے مفتی صاحب کے لیے بھی یہی تعلق دل میں بٹھا دیا۔

ہر سبق سے پہلے درود شریف پڑھوانا، ہر نئی سورت سے پہلے نیت کروانا، اور ہر جمعہ کو کسی ولی اللہ کی سیرت سنانا — یہ سب اُن کی تربیت کا حصہ تھا۔

والد فرمایا کرتے:
"بیٹا، علم سیکھنے سے پہلے نیت سیکھ، اور کتاب کھولنے سے پہلے دل کھول۔"

محفلوں کا ماحول:

دل کی تربیت حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی نوری قادری رحمہ اللہ علیہ کے بچپن میں گھریلو ماحول صرف تعلیمی یا مذہبی ہی نہ تھا، بلکہ روحانی مجالس اور علمی نشستیں اس گھر کا حصہ تھیں۔ ہر جمعرات کو گھر میں میلاد شریف کی محفل ہوتی، جس میں درود و سلام، نعت خوانی، اور اولیائے کرام کے واقعات کا بیان ہوتا۔

وہ ان محفلوں میں اپنی والدہ کے پہلو میں بیٹھ کر خاموشی سے سنتے، لیکن ان کی آنکھوں میں نور کی ایک چمک ہوتی۔ جب نعت رسول مقبول ﷺ پڑھی جاتا، تو ان کا دل دھڑکنے لگتا۔ وہ بے ساختہ آنکھیں بند کر کے چہرہ جھکا لیتے — جیسے دل کی آنکھوں سے کچھ دیکھ رہے ہوں۔

ایک بزرگ نے اُن کے بارے میں فرمایا: "یہ بچہ نعت نہیں سنتا، یہ نعت کے لفظوں سے مدینہ دیکھتا ہے۔"

والدین کی دعائیں:

روحانی فیض ان کے والدین دونوں ہی نہایت نیک سیرت، باعمل، اور اللہ کے ذکر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ والد گرامی اکثر تہجد کے وقت اپنے بیٹے کے لیے دعائیں کرتے۔ ایک بار تہجد کے وقت دعا کرتے ہوئے فرمایا: “یا اللہ! اگر میرے بیٹے کے نصیب میں علم ہے تو اسے نور بنا، اور اگر اس کے نصیب میں قیادت ہے تو اسے امانت بنا۔”

یہ الفاظ بعد میں مفتی صاحب کی شخصیت کا حصہ بن گئے — علم بھی ان کے پاس تھا اور امانت بھی، نور بھی ان کی ذات میں تھا اور قیادت بھی۔

ہ بچپن کی تنہائی میں ذکر کا ذوق کئی بار وہ اکیلے کمرے میں بیٹھے تسبیح پڑھتے دکھائی دیتے۔ ان کے ہاتھ میں گلابی دانے والی ایک چھوٹی سی تسبیح ہوتی، جس پر وہ درود شریف پڑھتے۔ والدہ فرماتیں: “جب یہ بچہ خاموش بیٹھا ہوتا ہے، تب یہ سب سے زیادہ بول رہا ہوتا ہے — اپنے رب سے۔”

ایک دن والدہ نے دیکھا کہ وہ زمین پر سجدے کی حالت میں رکے ہوئے ہیں۔ ماں نے آہستہ سے کہا: “بیٹا، تھک نہیں گئے؟” مفتی صاحب نے جواب دیا: “امی جان، دل کبھی سجدے سے تھکتا ہے؟”

کتابوں سے پہلا شغف اگرچہ اُن کی عمر کم تھی، لیکن کتابوں سے انسیت بہت تھی۔ قرآنِ مجید کے ساتھ ساتھ وہ تفسیر اور سیرت النبی کی تصویری کتب بھی بڑے شوق سے دیکھتے۔ ان کی انگلیاں صفحات کو چھوتی تھیں اور آنکھیں جیسے ان میں چھپی باتوں کو کھول رہی ہوتی تھیں۔

ایک روز والد گرامی نے ان سے پوچھا: “یہ کتاب کیوں دیکھ رہے ہو؟” جواب آیا: “ابا جی! ان صفحوں میں اللہ اور اُس کے نبی ﷺ کی خوشبو آتی ہے۔”

ہ ابتدا ہی سے مروت اور ادب بچپن میں ہی مفتی صاحب نے ایسا سلوک اور رویہ اپنایا جو عام بچوں میں کم نظر آتا ہے۔ وہ بڑوں سے مؤدبانہ بات کرتے، استاد کے سامنے نظریں جھکا لیتے، اور اگر کوئی چھوٹا بچہ غلطی کرتا، تو نہ مارتے، نہ ڈانٹتے — بلکہ دعا دیتے۔

یہی ادب بعد میں ان کے علم کا محافظ بنا۔ وہ خود فرماتے تھے: “جس نے ادب نہیں سیکھا، وہ علم کا دروازہ کھٹکھٹا تو سکتا ہے، کھول نہیں سکتا۔”

ادب گاہِ علم میں پہلا قدم — مدرسِ کی دہلیز اور استادوں کی چھاؤں

مدرسہ کی پہلی صبح علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی نوری قادری رحمہ اللہ علیہ کی تعلیمی زندگی کا باقاعدہ آغاز ایک نہایت مقدس اور بابرکت صبح سے ہوا۔ یہ وہ دن تھا جب والد گرامی نے ہاتھ تھام کر مدرسے کی جانب روانہ کیا۔ ان کی نگاہوں میں اعتماد اور دعاؤں کی روشنی تھی، جبکہ مفتی صاحب کے دل میں علم حاصل کرنے کی تشنگی، شوق، اور روحانی مسرت تھی۔

پہلی نشست، پہلا استاد جب آپ پہلی نشست میں بیٹھے تو صف میں ان کے دائیں بائیں دوسرے بچے بیٹھے تھے، لیکن مفتی صاحب کا اندازِ نشست ایسا تھا جیسے کوئی بزرگ علمی محفل میں باادب بیٹھا ہو۔ ان کے پہلے استاد حضرت مولانا مفتی خلیل خان برکاتی صاحب تھے — نہایت نرم خو، شفیق، اور علم دوست انسان۔

مدرسہ محض ایک عمارت نہ تھی — وہ ایک روحانی خانقاہ تھی جہاں علم و ادب کے چراغ روشن کیے جاتے تھے۔ اس مدرسے کا دروازہ مفتی صاحب کے لیے صرف علم کی طرف نہیں کھلا، بلکہ وہ معرفت، نسبت، اور خدمت کے سفر کا بھی پہلا قدم تھا۔

پہلا سبق سورہ الفاتحہ تھا۔ جب استاد نے تلاوت کی، تو مفتی صاحب نے نہ صرف درستگی سے دہرایا بلکہ چہرے پر ایک کیفیت طاری ہو گئی — جیسے ہر آیت دل پر اُتر رہی ہو۔

استاد نے بعد میں فرمایا: “میں نے آج پہلی بار کسی بچے کو لفظوں کے ساتھ ساتھ معانی کی روشنی میں لپٹا ہوا دیکھا۔”

استادوں سے سلوک، محبت اور ادب مفتی صاحب کا استادوں کے ساتھ رویہ بچپن سے ہی نہایت مؤدبانہ اور مؤثر تھا۔ وہ نہ صرف سبق کے دوران توجہ دیتے بلکہ بعد از سبق بھی استاد کی خدمت کو سعادت سمجھتے۔ ان کے ہاتھ میں اکثر استاد کے لیے پانی، تختی صاف کرنے کا کپڑا، یا کتاب تھامنے کی نیت نظر آتی۔

ایک دن ان کے استاد نے کہا: "بیٹا! تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" مفتی صاحب نے معصومیت سے جواب دیا: "حضرت! میں آپ سے علم کا نہیں، آپ کی نسبت کا طالب ہوں۔"

نظم، وقت کی پابندی، اور درسی شوق مدرسے کے اوقات کار میں مفتی صاحب ہمیشہ سب سے پہلے پہنچتے، تختی مکمل تیار، سبق دہرایا ہوا، اور چہرہ بشاشت سے بھرپور ہوتا۔ ان کا یہ معمول کبھی نہیں بدلا۔ ان کے ہم جماعت کہا کرتے: "جب ہم جاگتے ہیں، تب وہ علم یاد کر چکے ہوتے ہیں۔"

سبق کی تیاری کا انداز مفتی صاحب کا اندازِ مطالعہ روایتی نہ تھا۔ وہ صرف رٹتے نہیں تھے، سمجھتے، تشریح کرتے، اور دوسروں کو بھی سکھاتے۔ ان کے استاد اکثر کلاس میں ان سے سوال کرتے، اور جواب ایسا ہوتا کہ پورا سبق دوبارہ تازہ ہو جاتا۔

استادِ محترم نے ایک بار فرمایا: "اس بچے کو علم کی چابی دے دو، یہ قفل خود کھول لے گا۔"

استاد کی ایک نصیحت ایک دن استاد نے پوری جماعت سے کہا**:** "اگر کوئی طالب علم ہو جو سچ بولتا ہو، وقت کا خیال رکھتا ہو، اور علم کو امانت سمجھے — تو وہی ہمارا فخر ہو گا۔"

اگلے دن مفتی صاحب نے اپنی کاپی کے پہلے صفحے پر وہی الفاظ لکھے، اور ان کے نیچے: "اللہ کرے میں استاد کا فخر بن جاؤں۔"

یہی وہ مدرسہ تھا جس نے مفتی صاحب کے شعور کو علمی بصیرت میں ڈھالا اور ان کے اندر کے طالب علم کو ایک مربی، محدث، فقیہ اور عاشقِ رسول ﷺ میں تبدیل کرنے کا بیج بویا۔

مطالعہ اور استفسار:

قصص الانبیاء، سیرت النبی ﷺ اور دعاؤں کی کتابوں کا گہرا شوق

والد صاحب سے سوال کیا کرتے:

"ابا جی! فرشتے کیسے آتے ہیں؟ جہاد صرف تلوار سے ہوتا ہے یا علم سے بھی؟"

ذہانت و حافظہ:

سنی ہوئی احادیث فوراً یاد ہو جاتی نماز کی دعائیں، مختلف درود پاک، اور روز مرہ اذکار چھوٹی عمر میں حفظ ہو گئے۔اساتذہ اکثر حیران ہوتے اور فرمایا کرتے:

“یہ بچہ صرف طالب علم نہیں، یہ آنے والا معلم ہے۔”

دینی مدارس، اساتذہ، اسناد اور علمی تربیت

حضرت نے تعلیم کو رسمی سند کے لیے نہیں، بلکہ دین کے فہم، اقامتِ سنت، اور فیضِ باطن کے لیے اپنایا۔

آپ کی تمام تعلیم مسلکِ اعلیٰ حضرت، عشقِ مصطفیٰ ﷺ، اور فقہی بصیرت سے عبارت تھی۔

تعلیم کے مراکز (مدارسِ دینیہ):

جناب حافظ جمیل احمد صاحب رحمہ اللہ علیہ (ناظرہ قرآن پاک، حفظ قرآن)

جناب القاری الحافظ چراغ صاحب رحمہ اللہ علیہ (تجوید ،قرات،حفظ قرآن) دارالعلوم احسن البرکات

ابتدائی عربی، نحو، صرف، تجوید، عقائد اور ابتدائی فقہ یہاں سے حاصل کی

اسی ادارے میں شوقِ مطالعہ اور منظم دینی زندگی کی بنیاد پڑی اور یہاںسے ہی حضرت نے **تخصص فی الفتاویٰ** والبعوث مکمل کیا۔

مفتی خلیل میاں رحمہ اللہ علیہ جیسے اساتذہ سے افتاء، فتاویٰ نویسی اور اصولی تربیت حاصل کی

اسی ادارے سے آپ کو فقہ و استنباط میں امتیازی مقام حاصل ہوا

تنظیم المدارس اہلِ سنت، پاکستان (بورڈ اسناد) یہاں سے حضرت نے تمام اَہم اسناد حاصل کیں:

حضرت کے درسِ نظامی کے مکمل ہونے کی قومی سطح پر تصدیق تھی

مشہور و معزز اساتذۂ کرام:

شیخ الحدیث خلیل العلماءمفتی خلیل احمد میاں برکاتی رحمہ اللہ علیہ

محدث حیدرآبادی مفتی احمد میاں برکاتی رحمہ اللہ علیہ
مفتی وا شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبدالحفیظ قادری رحمہ اللہ علیہ
حضرت علامہ مولانا مفتی شیخ الحدیث صوفی رضا محمد عباسی مدظلہ
ابوالمشاخ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد اویسی رحمہ اللہ علیہ (دورہ تفسیر القران)
حضرت علامہ مولانا مفتی محمد حسین القادری الرضوی المصطفوی رحمہ اللہ علیہ (شہادۃالفراغ)
شیخ التصوف حضرت علامہ مولانا محمد علی رضوی رحمہ اللہ علیہ(تصوف،علم ادب)
قاضی بشارت علی شاہ قادری رحمہ اللہ علیہ والد محترم، غیر رسمی تربیت کے عظیم مربی

حاصل شدہ اسناد:

سندِ تجوید و قرأت
الشہادۃ الثانویۃ الخاصۃ – تنظیم المدارس
الشہادۃ العالیۃ – تنظیم المدارس
الشہادۃ العالمیۃ – تنظیم المدارس
سندِ حدیث و تفسیر – درس نظامی
سندِ تخصص فی الفتاویٰ – دارالعلوم احسن البرکات

خلاصہ:

حضرت کا علمی سفر فقط کتابی نہیں تھا —بلکہ وہ دلوں کو جِلا دینے والا، عقل کو روشنی دینے والا، اور امت کو راہ دکھانے والا سفر تھا۔ باب اول کا اختتام – مجموعی جھلک، دعاؤں کا اثر، اور مستقبل کی تمہیدشخصیت کی تشکیل کا پہلا باب باب اول میں قبلہ مفتی صاحب کی ابتدائی زندگی کے وہ تمام رنگ نمایاں کیے گئے جنہوں نے ان کی شخصیت کو ایک جامع اور کامل انسان بنانے کی بنیاد فراہم

کی ہے ان کے بچپن کا ہر پہلو — علم، ادب، عشق، روحانیت، عبادت، نعت، سیرت، اور محافلِ میلاد — کسی نہ کسی گوشے سے ان کے مستقبل کی جھلک دکھا رہا تھا۔

۔ دعاؤں کا اثر اور تربیت کا فیض ان کے والدین کی دعائیں، اساتذہ کی رہنمائی، اور اہلِ خانہ کی صحبت نے ان کی تربیت کو نہ صرف باوقار بلکہ اثرآور بھی بنایا۔ بچپن ہی سے ان کی تربیت اس نہج پر ہوئی کہ علم ان کی آنکھوں میں، حلم ان کی زبان پر، عشق ان کے دل میں، اور عمل ان کے کردار میں ظاہر ہوتا تھا۔

علم کا اگلا زینہ: فقہ میں رسوخ کا سفرحضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کے تعلیمی سفر کا دوسرا مرحلہ صرف سبق یاد کرنے یا اسناد حاصل کرنے کا نہیں تھا —یہ سمجھنے، گہرائی میں جانے، اور امت کی رہنمائی کے لیے فقہ کی تہوں میں اترنے کا عمل تھا۔فقہ" آپ کے نزدیک ایک فائل یا فتویٰ کا موضوع نہ تھی —بلکہ زندگی کی سمت متعین کرنے والا علم تھا۔

باب دوم

تعلیم و تر بیت ،ابتدائی و اعلیٰ تعلیم، اساتذہ، جامعات

علم صرف کتاب پڑھ لینے کا نام نہیں —
یہ دل کے اندر لگنے والی وہ آگ ہے جو انسان کو سکون میں نہیں رہنے دیتی ہے
یہ وہ جستجو ہے جو نیند کی قربانی مانگتی ہے،........وہ پیاس ہے جو سیراب ہونے کا نام نہیں لیتی،
اور وہ راستہ ہے جس پر چلنے والے کو اکثر بھوک، فقر، اور ناتوانی کے سائے ساتھ لے کر چلنے پڑتے ہیں۔حضرت علامہ مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کا سفرِ علم کچھ اسی نوعیت کا تھا۔

شوقِ علم: فطرت کی روشنی بچپن کی کہانیوں میں کچھ کردار ایسے ہوتے ہیں جو عام نظر آتے ہیں، مگر اندر سے غیر معمولی ہوتے ہیں۔
حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ بھی بچپن سے ایک مختلف روش پر تھے —
کھیلنے کے بجائے مدرسے کی سمت کھچتے چلے جانا،کہانیوں کے بجائے سیرتِ رسول ﷺ سننا،
اور سوالات ایسے کرنا جن پر بڑے بڑے حیرت زدہ ہو جائیں۔

والد گرامی حضرت قاضی بشارت علی شاہ قادری رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے:
“یہ بچہ پوچھنے کے لیے پیدا ہوا ہے، اور علم کے پیچھے دوڑنے کے لیے!”

بچپن میں جب سب بچے عید کی تیاریاں کر رہے ہوتے، حضرت کسی کتاب کے پیچھے ہوتے —
کبھی اردو کی سادہ کہانیوں میں سے نبیوں کی سیرت تلاش کرتے،کبھی قرآن پاک کی سورتیں تجوید سے پڑھنے کی کوشش کرتے۔

پہلا مدرسہ — علم کے دروازے پر پہلا قدم

حضرت نے دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد میں باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا۔

یہ ادارہ اس وقت ایک معروف دینی مرکز تھا، جہاں علما، طلبا اور اہلِ علم کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

حضرت نے یہاں سے صرف نصابی کتب ہی نہیں پڑھیں بلکہ:

- حلم و وقار سیکھا
- ادب و احترام کا سلیقہ حاصل کیا
- ذکر و فکر کی بنیاد رکھی

یہیں سے ان کی شخصیت کی پہلی پرتیں کھلنا شروع ہوئیں۔ اساتذہ کا بیان ہے:

“ہم نے ایسے طلبا کم دیکھے جو سوال بھی کرتے اور ساتھ ادب بھی نبھاتے۔”

- حضرت کا مطالعہ کا معمول اس وقت یوں تھا:
- فجر سے پہلے اُٹھنا
- وضو کے بعد ذکر و اذکار
- درس کے بعد مطالعہ
- دوپہر میں کتابوں سے خود سوالات نکالنا
- عصر کے بعد اساتذہ سے ان سوالات پر گفتگو

یہی ترتیب انہیں "علم کا عاشق" بناتی چلی گئی۔

قربانیاں: علم کے بدلے نیند، تنہائی، آرام

علم کا سفر آسان نہیں ہوتا۔حضرت کے لیے بھی نہیں تھا۔

ان کے کئی واقعات زبانِ زدِ خاص و عام ہیں:

”جی، آج امام غزالی رحمہ اللہ علیہ کا ایک اقتباس پڑھا ہے، بھوک نہیں لگی۔”

بغیر استاد کے مطالعہ:

جب کبھی استاد دستیاب نہ ہوتے، حضرت لائبریری میں موجود کتب کھول کر خود تشریح اور تشبیہ کے ساتھ نوٹس تیار کرتے۔

استاد کا تبصرہ: "یہ بچہ کتاب میں گھس جاتا ہے!”

ایک سینئر مدرس فرمایا کرتے:

"ہم نے بہت سے طلبا دیکھے ہیں، مگر یہ لڑکا کتاب کے لفظوں میں گھس جاتا ہے،
ان کے معنی، ان کا پس منظر، اور ان کے نتیجے تک پہنچنے کا ہنر اس میں فطری ہے۔"

حضرت کا انداز یہ تھا کہ ایک سوال کے جواب میں دس نئے سوالات پیدا ہو جاتے۔
اسی لئے اساتذہ اکثر ان سے بعد از کلاس بھی بات چیت کرتے۔

تیز فہم، تیز حافظہ وہ صرف سوال نہیں کرتے تھے — جواب بھی یوں یاد رکھتے کہ دنوں، ہفتوں اور مہینوں بعد بھی لفظ بہ لفظ دہرا دیتے۔

مثلاً:

"نورالانوار" کے فقہی اصول
"کنزالدقائق" کی فقہی نکات
"احکام القرآن" کے اہم ابواب

یہ **سب** حفظ نہیں، فہم کی بنیاد پر یاد رکھتے تھے۔

وقت کا کفایت شعار طالبِ علم

حضرت نے اپنے وقت کا استعمال یوں کیا جیسے کوئی فقیر چند سکے گن گن کر خرچ کرتا ہے۔

رات کو سونے سے پہلے 20 منٹ "زبدۃ الفقہ" کا مطالعہ
فجر کے بعد "سیرت النبی ﷺ"
دوپہر کو "رسالہ قشیریہ"
شام کو سبق کی تکرار اور مختصر نوٹس

یہ **معمول صرف** مطلوبہ کتب کے لیے نہیں،
بلکہ "زندگی بھر علم دوست رہنے کے لیے" **بنایا گیا تھا**۔

مالی پریشانیاں — مگر ہمّت قائم

کئی مرتبہ **کپڑے پرانے اور بوسیدہ ہو جاتے**، کبھی کبھی **جوتے مرمت شدہ ہوتے**، مگر علم کا چراغ کبھی بجھنے نہ دیا
حضرت فرمایا کرتے:

"جوتے کا پیوند تو ٹھیک ہو جاتا ہے،
لیکن علم میں کمی آ جائے تو دل کا پیوند بھی کام نہیں آتا۔"

امتحان میں امتیاز

ہر سال تعلیمی امتحانات میں اول پوزیشن لیتے — اساتذہ خصوصی دعائیں دیتے،

اور اکثر فرمایا کرتے: "یہ صرف ہمارا شاگرد نہیں" مستقبل کا مدرس، مفکر، اور مفتی ہے۔”

کہا جاتا ہے کہ بعض لوگ دنیا میں ایسے وقت آتے ہیں جب صدیوں کا سکوت ایک صدا کا منتظر ہوتا ہے، اور وہ صدا بن کر ابھرتے ہیں۔ ان کا آنا فقط ایک پیدائش نہیں ہوتی، بلکہ ایک عہد کا آغاز ہوتا ہے۔ ایسی ہی ایک روشنی تھی حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی نوری قادری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ باسعادت۔

ایک مقدس گھڑی

شب کا عالم تھا، چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ افقِ زیریں پر جھلک رہا تھا۔ فضا میں عجب سا سکوت تھا۔ اور تب ہی، پاکستان کے ایک دینی، علمی اور روحانی خانوادے میں ایک مبارک ساعت جلوہ گر ہوئی — جسے وقت نے اپنے صفحات میں سنہری الفاظ سے درج کیا۔

حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ایک سادات گھرانے میں ہوئی — ایسا گھر جہاں نسب فقط شجرہ نہیں تھا بلکہ ایک جیتی جاگتی روحانی شناخت تھی؛ جہاں سید ہونا فقط نام کا حصہ نہیں، کردار، طرزِ عمل، اور سلوک کا عکس تھا۔

خانوادہ قادریہ کا علمی ورثہ

آپ کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے تھا جو علمی شرافت، روحانی بالیدگی، اور دینی خدمت میں اپنی مثال آپ تھا۔ آپ کے والدِ محترم حضرت قاضی سید بشارت علی شاہ قادری رحمۃ اللہ علیہ، ایک باوقار، بارعب، اور نہایت ہی باعمل بزرگ تھے جنہوں نے محض قلم سے نہیں بلکہ کردار سے دین کی روشنی پھیلائی۔

یہ خاندان "قادری سلسلہ" سے منسلک تھا، اور اس نسبت کا رنگ پورے ماحول میں جھلکتا تھا — مہمان نوازی، علم دوستی، عاجزی، محبت، اور تقویٰ۔

گھر میں قرآن مجید کی تلاوت صبح کی فضا میں گھل جاتی تھی، اور نعتِ رسول مقبول ﷺ کی محافل روح کو مکہ و مدینہ کی خوشبو سے معطر کر دیتی تھیں۔

تدریسی ترقی، فقہی ذوق، اور مطالعہ کی جستجو

سبق در سبق ارتقاء علم کے میدان میں حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی نوری قادری رحمۃ اللہ علیہ نے قدم بہ قدم ترقی کی۔ ان کا ہر سبق صرف ایک صفحہ نہ تھا بلکہ ایک سیڑھی تھی جو انہیں علمی کمالات کی بلندیوں تک لے جا رہی تھی۔ ان کی یادداشت غیر معمولی تھی، مگر اس سے زیادہ ان کی سمجھ بوجھ اور گہرائی قابلِ ذکر تھی۔

نحو و صرف کی باریکیاں، فقہ کے اصول، اور تفسیر کے لطائف جب ان کے سامنے آتے تو وہ انہیں ایسے قبول کرتے جیسے پہلے سے دل پر نقش ہوں۔

فقہی ذوق اور سوالات کی بصیرت فقہ میں ان کا ذوق انوکھا تھا۔ وہ صرف فتویٰ یاد نہیں کرتے تھے، بلکہ مسئلے کی بنیاد، دلیل، اور مصلحت کو بھی تلاش کرتے۔ استادِ محترم ایک دن ایک پیچیدہ مسئلہ بیان کر رہے تھے، جب مفتی صاحب نے ہاتھ اُٹھا کر عرض کیا: “حضرت! اگر عرف عام بدل جائے تو کیا حکم بھی بدل جائے گا؟”

کلاس میں خاموشی چھا گئی۔ استاد نے مسکرا کر فرمایا:

“یہ سوال حافظے کا نہیں، فہم کا ہے — اور یہ بچہ فہم رکھتا ہے۔”

مطالعہ کا انداز: خاموش تحقیق مفتی صاحب کا مطالعہ بھی باقی طلبہ سے جدا تھا۔ وہ ہر کتاب کو غور سے پڑھتے، اہم نکات نوٹ کرتے، اور جب کوئی نکتہ نہ سمجھ آتا، تو اسی وقت تحقیق میں لگ جاتے۔ ان کی نشست گاہ میں کتابیں ترتیب سے رکھی ہوتیں — قرآن، حدیث، فقہ، اصول، اور تاریخ — سب پر نشان لگے ہوئے صفحات اُن کے سوالات کے سفر کی نشانیاں تھیں۔

رات کی تنہائیاں اور کتابوں کا سفر رات کا وقت ان کا خاص وقت ہوتا۔ جب سب سو جاتے، تو وہ چھوٹے سے چراغ کی روشنی میں کتابیں کھول لیتے۔ نہ شور، نہ خلل — صرف علم، دل، اور چراغ۔ وہ فرمایا کرتے: “یہ روشنی کتاب کی نہیں، میرے دل کی پیاس کی ہے۔”

یہی وہ دور تھا جہاں مفتی صاحب کا علم، فکر، اور روحانی شعور ایک نئے مرحلے میں داخل ہوا — ایک ایسا مقام جہاں علم صرف رٹنے کا نام نہ رہا، بلکہ ایک فہم، ایک مقصد، اور ایک ذمہ داری بن چکا تھا۔

خطابت کی پہلی جھلک، زبان کی روانی، اور دلوں پر اثر

۔ پہلی تقریر: حیرت سے تحسین تک مدرسہ کی سالانہ تقریب کا دن تھا۔ تمام اساتذہ، طلبہ، اور والدین جمع تھے۔ پروگرام میں نعت، قراءت، اور تقریری مقابلہ شامل تھے۔ جب قبلہ مفتی صاحب کا نام تقریر کے لیے لیا گیا، تو سب نے چونک کر دیکھا۔ وہ ابھی کم سن تھے، مگر جب وہ مائیک پر پہنچے، تو ان کے قدموں میں وقار، لہجے میں نرمی، اور آنکھوں میں علم کی روشنی جھلک رہی تھی۔

ان کی تقریر کا موضوع تھا: "علم اور اخلاق کا تعلق" انہوں نے سادہ، دلنشین، اور مدلل انداز میں گفتگو کی۔ سامعین ہمہ تن گوش تھے۔ جب تقریر مکمل ہوئی، تو پورا ہال اللہ اکبرکی صداؤں سے گونج اُٹھا۔

ایک استاد نے آہستہ سے کہا: "یہ بچہ صرف بولتا نہیں — یہ دلوں کو جگاتا ہے۔"

۔ زبان کی تاثیر اور الفاظ کی ترتیب ان کی تقریر میں صرف معلومات نہیں ہوتیں، بلکہ ایک وجدانی بہاؤ ہوتا۔ ان کے جملے متوازن، مثالیں برمحل، اور حوالے جات مستند ہوتے۔ وہ صرف الفاظ نہیں بولتے تھے، بلکہ سامع کے دل میں اترتے تھے۔

وہ اکثر کہتے: "خطیب وہ نہیں جو آواز بلند کرے، خطیب وہ ہے جو دل جھکا دے۔"

۔ مطالعہ اور خطابت کا رشتہ ان کی خطابت کے پیچھے بے پناہ مطالعہ، مشاہدہ، اور فہم تھا۔ وہ ہر تقریر سے پہلے موضوع پر گھنٹوں تحقیق کرتے، حوالے جات نوٹ کرتے، اور ذہنی نقشہ بناتے۔ کبھی امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال، کبھی اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحریریں، اور کبھی حدیثِ پاک کے نکات — سب ان کی گفتگو کا حصہ بنتے۔

ان کے والد فرماتے: "جب میرا بیٹا بولتا ہے، تو علم بولتا

ہے، ادب بولتا ہے، اور نسبت بولتی ہے۔”

تقریر سے تبلیغ کی طرف

ان کی خطابت نے انہیں صرف تقریری مقابلوں تک محدود نہ رکھا، بلکہ رفتہ رفتہ وہ دعوت، تبلیغ، اور اصلاح کے میدان میں داخل ہو گئے۔ مساجد، مدارس، اور اجتماعات میں ان کے بیانات سننے کے لیے لوگ جمع ہوتے۔ وہ سادہ زبان میں دل کی بات کرتے اور دین کی روح کو زندہ کرتے۔

یہ وہ مرحلہ تھا جہاں علم زبان سے نکل کر دلوں میں اُترنے لگا، اور مفتی صاحب محض طالب علم نہ رہے — وہ اُمت کے دلوں میں چراغ روشن کرنے والے خطیب بن گئے۔

عشقِ رسول ﷺ کی جھلکیاں، محافلِ میلاد، اور روحانی واردات

محافلِ میلاد کا جمالی رنگ

قبلہ مفتی صاحب کے دل میں عشقِ رسول ﷺ کا نور ان کے بچپن ہی سے بسا ہوا تھا، لیکن جب انہوں نے شعوری انداز میں محافلِ میلاد میں شرکت شروع کی، تو وہ نور ایک شعور میں ڈھل گیا۔ وہ محض سامع نہیں ہوتے تھے، بلکہ ان کے دل کی کیفیتیں، آنکھوں کی نمی، اور زبان پر درود و سلام ان کی حالت کو بیان کرتی تھیں۔

جب نعت خواں "تاجدارِ حرم ہو نگاہِ کرم" یا "مدینہ کو جائیں" جیسی نعتیں پڑھتے، تو وہ گویا آنکھیں بند کر کے روح کو مدینہ منورہ لے جاتے ہیں۔ ان کی نشست میں ادب، سر جھکا ہوا، ہاتھوں میں تسبیح، اور دل میں وجد کی لہر ہوتی۔

سیرتِ مصطفی ﷺ سے قلبی انس

مفتی صاحب کی سب سے پسندیدہ کتابوں میں سیرت النبی ﷺ کی کتب شامل تھیں۔ وہ بچپن ہی سے "الشمائل المحمدیہ"، "سیرت ابن ہشام" اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی نعتیہ تحریروں کے دلدادہ تھے۔ وہ فرمایا کرتے: “نعت رسول ﷺ پڑھنا عبادت ہے، اور سیرتِ رسول ﷺ پڑھنا معرفت ہے۔”

ان کی زندگی میں سیرت ایک نصاب نہیں، ایک راستہ تھی۔ وہ حضور ﷺ کے معمولات کو اپنا اسوہ سمجھتے، آپ کے صبر، حلم، تبسم، درگزر، صدق اور عدل کو زندگی کا لائحہ عمل بناتے ہیں۔

عشق کا اظہار عبادت میں

ان کی عبادت میں عشق کا رنگ

نمایاں تھا۔ درود شریف کے بغیر اُن کی کوئی دعا مکمل نہ ہوتی۔ تہجد میں اکثر آیاتِ درود اور حمد و ثناء کے ساتھ گریہ و زاری کرتے۔ محفلِ نعت کے بعد جب صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا تو ان کی آواز سب سے اونچی ہوتی، اور دل سب سے جھکا ہوا۔

یہی عشقِ رسول ﷺ بعد میں ان کے خطبات، فتاویٰ، اور تحریروں میں ایسی خوشبو بن کر بکھرا جس نے ہزاروں دلوں کو ایمان کی تازگی عطا کی۔

✍️ تحریری استعداد: قلم سے فتویٰ کی بنیاد

علم کی پختگی اس وقت واضح ہوئی جب حضرت نے **اپنی ابتدائی تحریری کاپیاں** مرتب کرنا شروع کیں۔

- ہر باب کے نیچے فقہی مسائل کے فوائد لکھتے
- عربی عبارت کے نیچے اردو خلاصہ
- اور پھر ایک جدید مثال دیتے جیسے:
- “آج کے ATM یا Online نکاح کا حکم کیا ہوگا؟”
- اساتذہ ان نوٹس کو دیگر طلبا کے لیے نمونہ بناتے۔

📜 ایک فتویٰ جو استاد کو چونکا گیا:

ایک دن مفتی خلیل خان رحمۃ اللہ علیہ نے "عورت کی غیر حاضری میں نکاح" پر سوال دیا۔

حضرت نے نہ صرف جواب لکھا، بلکہ:

- چار اقوال کا موازنہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ
- یہ مسئلہ اگر دیہات میں ہو تو کیا حکم ہوگا؟ اور اگر جدید ٹیکنالوجی اور جدید صورتِ حال (ٹیلیفون پر ایجاب و قبول) کا اجتہادی تجزیہ بھی لکھ دیا۔

استاد نے کہا: "بیٹا! تم صرف فتویٰ نہیں لکھتے—تم امت کا مقدمہ لڑنے آ رہے ہو!”

تدریسی آغاز — زبانی فقہ اور عوامی رہنمائی

علم جب تک بانٹا نہ جائے، وہ صدقہ نہیں بنتا۔

حضرت مفتی صاحب نے جب تعلیم میں **وسطی**

درجات مکمل کیے تو مقامی مسجد کے امام نے عرض کیا:
"ہمارے ہاں ہفتے وار درسِ فقہ دیا کریں۔"
یہ حضرت کے پہلے **غیر رسمی تدریسی تجربے** کا آغاز تھا:

- ہر جمعہ بعد نماز عصر درس دیتے
- مسئلے بیان کرتے، حوالے دیتے، اور روزمرہ مثال شامل کرتے
- سوال و جواب کا سیشن رکھتے

یہ اسلوب بہت مقبول ہوا، حتیٰ کہ **علما بھی سننے آتے۔**

سوالات کا سامنا — مناظرانہ صلاحیت کی نمود

بعض لوگ سخت سوالات کرتے:

- "اسلام آج کے بینکنگ نظام پر کیا کہتا ہے؟"
- "کیا ہم موبائل پر بیعت کر سکتے ہیں؟"
- "فقہ کی کتابیں آج کی زندگی سے کتنی ہم آہنگ ہیں؟"

حضرت ہمیشہ سکون سے سنتے، تبسم فرماتے،اور پھر فقہی اصول سے جواب دیتے۔یہی انداز بعد میں آپ کے **مناظرانہ کمالات** کی بنیاد بنا۔

اساتذہ کی شفقت و سندات کی تیاری:

آپ کے اساتذہ میں خاص شفقت تھی۔روزانہ کے اسباق سے ہٹ کر، ہفتے وار خصوصی مشورہ دیتے۔مفتی خلیل خان صاحب فرمایا کرتے:"یہ شاگرد میرے بعد مسند افتاء پر بیٹھے گا"آپ کی کارکردگی کی بنیاد پر:فقہی پوزیشن کے لیے سفارشات دی گئیں اور تحریری انداز، افتاء کا استدلال، اور تدریسی ترتیب پر اسناد میں تعریف کی گئی۔

کتابی مطالعہ: عشق کی حد تک

حضرت کا ایک رجحان مستقل رہا:
نئے پرانے تمام فقہی کتب خریدنا
سستی حالت میں بھی کتب کو خریدنے کو "روح کی خوراک" کہنا

ایک الماری میں "فقہ"، دوسری میں "فتاوٰی رضویہ"،
اور تیسری میں "تصوف"
یہ صرف جمع کرنا نہیں تھا —
بلکہ ہر کتاب کو حاشیہ لگانا، نشان دہی کرنا، اور موضوع وار ترتیب دینا معمول تھا۔

اصلاحی پہلو — عوام کو آسان زبان میں فقہ سکھانا

علم وہی فائدہ دیتا ہے جو دوسروں کو سمجھ آ جائے۔
حضرت نے ہمیشہ عوام کے لیے فقہی مسائل کو آسان الفاظ میں بیان کیا۔
مثال:
“طلاق کا فتویٰ دینے سے پہلے، اصلاح کا راستہ دکھاؤ”
“مسائل پڑھانے کا مقصد فتویٰ نہیں، زندگی کو شرع پر لانا ہے”

عوامی تاثر:

ایک نمازی نے کہا:
“ہم نے پہلے بہت علما دیکھے، مگر حضرت مفتی عظمت علی صاحب رحمہ اللہ علیہ کی بات دل میں اترتی ہے۔
لگتا ہے علم ان کے اندر ہے، اور محبت ان کی زبان میں۔”

جدید سوالات پر رائے:

حضرت نے جدید فقہی سوالات پر بھی گرفت رکھی:
DNA سے نسب کا تعین
بینکنگ نظام اور سود
طلاق بذریعہ میسج
آرٹیفیشل ذہانت میں فتویٰ نویسی کی گنجائش
آپ ان مسائل پر نہ صرف سنجیدہ تحقیق کرتے، بلکہ ان کے حل میں **سنت، فقہ، اور عقلیت** کو ساتھ جوڑتے۔

۵) افتاء — قلم کی فقہی امانت

افتاء کی خدمت وہ دروازہ ہے جہاں عالم صرف استاد یا خطیب نہیں رہتا —
بلکہ قوم کا قاضی، شرعی نگہبان، اور امت کا طبیب بن جاتا ہے۔
یہ وہ مقام ہے جہاں جواب میں صرف عبارت نہیں،

بلکہ عقل، روایت، دینی غیرت اور حکمت مل کر شریعت کی روشنی میں فیصلے کا چراغ جلاتے ہیں۔

حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ نے افتاء کے اس فن میں وہ عظمت حاصل کی جو صرف رسمی علم سے نہیں،
بلکہ دل کی پاکیزگی، نیّت کی صفائی، اور فہمِ دینی کی گہرائی سے حاصل ہوتی ہے۔

دارالعلوم احسن البرکات — تخصص فی الفتاویٰ

یہ ادارہ وہ اہم مقام ہے جہاں حضرت نے باقاعدہ:

- تخصص فی الفتاویٰ کی تکمیل کی
- تحریری فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی
- اصولِ افتاء، مصادرِ اربعہ، اور تطبیقی فقہ میں مہارت پائییہاں سے آپ نے فتویٰ لکھنے، جواب دینے، اور مسائل پر تحقیق کرنے کا عملی سفر شروع کیا۔

اساتذہ کا مشورہ تھا:

“تم صرف فقہی اصول یاد نہ کرو،
ان کو امت کے مسائل پر لاگو کرنا سیکھو — یہی اصل فقہ ہے۔”

فتاویٰ نویسی کی ابتدا — سادہ سوالات سے گہرے اجتہاد تک

شروع میں عام سوالات موصول ہوتے:
نماز میں بھول ہو جائے تو سجدہ سہو کب کریں؟
میت کی مغفرت کے لیے کیا دعا بہتر ہے؟
مسجد میں موبائل کی گھنٹی بجنے کا حکم کیا ہے؟
مگر آہستہ آہستہ:
خاندانی تنازعات
وراثت کے پیچیدہ مسائل
تجارتی سود اور معاہدے
طلاق کے جدید طریقے (میسج، ای میل، ریکارڈنگ)یہ
سب سوالات آنے لگے —
اور حضرت ہر مسئلہ کو **کتبِ فقہ، فتاویٰ**

رضویہ، اور جدید قانونی اصولوں سے ملا کر حل کرتے۔

فتاویٰ کی ترتیب — محض جواب نہیں، علمی دستاویز

حضرت کے فتاویٰ کا انداز صرف "ہاں" یا "نہیں" پر ختم نہیں ہوتا تھا **بلکہ ہر فتویٰ:**

- قرآن و حدیث کا حوالہ
- فقہائے کرام کے اقوال
- اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ سے تطبیق
- جدید مثال اور نتیجہ
- → یہ سب کچھ ایک منظم، مدلل، اور مہذب زبان میں ہوتا

دارالافتاء کے ابتدائی تجربات

حضرت جب محکمہ اوقاف میں بطور **ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر** فائز ہوئے، تو وہاں کے مختلف مسالک، دینی جماعتوں اور مدارس کے درمیان آپ کو:

شرعی رائے دینے

کاغذاتِ فتویٰ ترتیب دینے

اور بعض اوقات بین المسالک مشاورت کے لیے منتخب کیا جاتا

آپ کی تحریر کو تمام مکاتبِ فکر میں اعتماد کی نظر سے دیکھا جاتا تھا

خانگی، معاشرتی، نکاح و طلاق پر فتاویٰ

حضرت کی افتاء کی کاوشوں میں **گھریلو مسائل** پر خاص توجہ ہوتی:

- نکاح و طلاق کے شرعی آداب
- بیوی پر ہاتھ اٹھانے کا شرعی حکم
- نان نفقہ کے تنازعات
- طلاق ثلاثہ کا شرعی حل
- عورت کی کفالت اور وراثت

حضرت فرمایا کرتے:"اسلام صرف نماز اور روزے کا مذہب نہیں — یہ تو زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی دیتا ہے"،

اور افتاء اس رہنمائی کی زبان ہے۔”

فتاویٰ کی فائلیں — تحریری ورثہ

حضرت نے اپنے ہاتھ سے:فتاویٰ کی متعدد فائلیں مرتب کیں

فتاویٰ کو عنوان وار ترتیب دیا:

طہارت، نماز، روزہ

نکاح، طلاق، وراثت

بیوع، کرایہ، قرض

عبادات، معاملات، معاشرت

ہر فتویٰ میں حوالہ جات، اصل سوال، اور عربی اقتباسات بھی شامل ہوتے

یہ فتاویٰ آج بھی محفوظ ہیں اور طلبا و محققین کے لیے راہنما ماخذ بن چکے ہیں

فتاویٰ رضویہ سے محبت و استناد

حضرت نے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ علیہ کی فقہی گہرائی کو اپنایا۔

ہر فتویٰ میں:

اعلیٰ حضرت کا قول تلاش کرنا

ان کے طرزِ استدلال کو اختیار کرنا

اور ان کے فقہی اصول کو بنیاد بنانا

یہی حضرت کا فقہی اسلوب تھا۔

آپ فرمایا کرتے:

“جو فقیہ فتاویٰ رضویہ کا پابند ہو جائے،

وہ نہ صرف شریعت پر چلتا ہے، بلکہ شریعت بولتا ہے۔”

شفاف اور غیر جانبدار افتاء

کبھی قریبی لوگ مسئلہ لاتے،حضرت فرماتے:

“یہ سوال دارالافتاء کے لیے ہے، گھر کے لیے نہیں۔

جب قلم ہاتھ میں آ جائے تو صرف اللہ کی طرف دھیان ہوتا ہے۔”

یہی غیر جانب داری نے ان کے فتاویٰ کو:غیر متنازعہ"معیاری"اور قابلِ قبول بنایا۔

عوامی رجوع — اعتماد کی علامت

حضرت کے پاس:

مرد، خواتین، تاجر، ملازمین اساتذہ، وکلاء، علما، حتیٰ کہ قاضی بھی رجوع کرتے۔آپ ہمیشہ بیٹھتے، سنتے، سوال دہراتے، اور مسکرا کر سمجھانے کا طریقہ اپناتے۔

تصنیفی جہد، تحریری ورثہ اور علمی آثار

✍ علم کا قلم: تحریر میں روح ڈالنے والا

فقیہ۔تحریر ہر ایک کی ہوتی ہے — مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو قلم سے محض الفاظ نہیں، بلکہ نور نکالتے ہیں۔
حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ کا تحریری اسلوب دلیل کا دریا، ادب کا ہنر، اور روح کا **سکون** ہوتا تھا۔

آپ کی تحریر میں:

- دلائل کی پختگی
- زبان کی صفائی
- مسلکی استقامت
- اور عوامی فہم شامل ہوتے

یہی وجہ تھی کہ جب بھی آپ نے قلم اٹھایا، علم بھی بہا، عشق بھی ٹپکا، اور عقیدت بھی جھلکی۔

تحریری انداز — اندازِ رضا کی جھلک

حضرت کا تحریری انداز امامِ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے متاثر تھا:

کثرتِ حوالہ

- مسئلے کی تہہ تک رسائی
- کبھی طنز نہیں، مگر حجت ہمیشہ
- ادب کا غلبہ، مگر دلیل کی شدت

آپ فرمایا کرتے:

"رضا کا قلم صرف قلم نہیں تھا، وہ ایک فکری تلوار تھی — جو الفاظ سے جہاد کرتی تھی۔
میں کوشش کرتا ہوں کہ میرا قلم، رضا کی سُنت کو زندہ رکھے۔"

غیر مطبوعہ کتب و مسودات

حضرت نے چند علمی مسودے ترتیب دیے، جو اگرچہ مکمل یا مطبوع نہ ہو سکے، مگر ان کے علمی مقام کا عکاس

ہیں:

- نظامِ افتاء کی اصولی ساخت — اصولی فتویٰ نویسی کا عملی خاکہ
- اسلامی سیاست اور دارالاسلام کی بنیادیں
- ردِ فتنۂ تجدد: سوشل میڈیا اور جدید فتنوں پر شرعی موقف
- تصوف اور فقہ کا تعلق — امام غزالی سے اعلیٰ حضرت تک
- یہ مسودات اکثر ذاتی مطالعے کے لیے استعمال ہوتے،
  اور بعض طلبا کو مخصوص اجازت کے ساتھ پڑھنے دیے جاتے۔

درسی کتب پر حاشیہ نویسی

حضرت نے دورانِ تدریس:
“نور الایضاح"، "کنزالدقائق"، "نور الانوار"، اور "مشکوٰۃ" پر **ہاتھ سے حاشیے** تیار کیے
یہ حاشیے تدریسی تجربے، اشکالات اور آسان مثالوں سے بھرپور ہوتے
بعد ازاں کئی علما نے ان حاشیوں کو **“شارحانہ بیاض”** کا نام دیا

کتب خانہ — کتابوں سے عشق

حضرت کا ذاتی کتب خانہ ایک مکمل **علمی خزانہ** تھا:

- 1000 سے زائد کتب
- نادر قلمی نسخے
- فتاویٰ رضویہ مکمل
- کنزالعرفان کے تمام شروحات
- جدید اردو، عربی، فارسی کتب
- ہر کتاب پر نام، تاریخ خرید، قیمت، اور استعمال کی نوعیت درج ہوتی فرمایا کرتے:

“یہ کتب نہیں، یہ میری صحبت کے رفیق ہیں —
جن سے میں روز کچھ نیا سیکھتا ہوں، اور روح کو جِلا دیتا ہوں۔”

📚 مدارس میں تدریس و تحریری نصاب سازی

حضرت نے جن مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، وہاں **نصاب میں تحریری بہتری** کے لیے:

- کتب کا تجزیہ
- جدید ترتیب
- سوالات کا بانکپن
- اور امتحانی انداز کا نیا اسلوب تجویز کیا

خصوصاً دارالعلوم جامعہ قادریہ میں ان کے تحریری انداز نے نصاب کو "فقہی بصیرت" سے مزین کیا۔

✍️ اقتباسات، دعائیں، اور روزمرہ تحریریں

حضرت کی ڈائری میں:

- روزانہ کا ایک دینی اقتباس
- کسی طالب علم کا سوال اور اس پر مختصر تجزیہ
- کوئی حدیثِ مبارکہ، اس کا ترجمہ اور دعا
- → یہ سب روزمرہ معمول تھا، جس سے ان کی روحانی تحریری مزاج ظاہر ہوتا تھا۔
- منبر و محراب کی روشنی — علمی خطابت، دعوتی سفر اور عوامی اصلاح

🎙️ آغازِ خطابت — پہلا منبر، پہلا درس، پہلا اثر

علم جب صرف صفحات میں رہ جائے، تو وہ خاموش ہو جاتا ہے — اور جب منبر سے نکلے، تو امت کی زندگی میں گونج بن جاتا ہے۔ حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب پہلا خطبہ دیا تو ان کی عمر **مشکل سے 18 برس** تھی۔

یہ خطبہ محض الفاظ کا مجموعہ نہیں تھا — **یہ دل کی سچائی، علم کی گہرائی، اور جذبہ اصلاح کی تصویر تھا۔**

📍 مقام: خضراجامع مسجد، لطیف آباد
موضوع تھا: **"نماز اور ہماری زندگی"**

انداز نرم، پر اثر

بات دلیل سے شروع ہوتی، دل کی گہرائی تک پہنچتی، سامعین کی آنکھیں نم ہوئیں، دل نرم ہوئے
خطبے کے بعد سب نے ایک ہی جملہ کہا:
“یہ صرف خطیب نہیں — یہ دل کی زمین کو نرم کرنے والا ہے۔”

خطابت کا اسلوب: علم + ادب + عشق

حضرت کا اندازِ بیان:

- **قرآنی آیت سے آغاز**
- **حدیثِ رسول ﷺ کا انتخاب**
- **فقہی تشریح اور عوامی مثال**

آخری لمحے میں دل کو جھنجھوڑ دینے والی دعا یا جملہ
آپ کا یہ جملہ مشہور ہوا:
“علم وہ روشنی ہے جو صرف آنکھ سے نہیں، دل سے بھی دیکھی جاتی ہے۔”

دعوتی سفر کا آغاز

حضرت کو نہ صرف حیدرآباد بلکہ:
کراچی، لاہور، سکھر، میرپور خاص، راولپنڈی اور بعد ازاں **سعودی عرب، شام، عراق، ایران اور ترکی** میں بھی علمی خطاب کے مواقع ملے۔
ہر جگہ پر ان کی تقریر کو “علمی مجلس، روحانی تحریک، اور عقلی روشنی” کہا جاتا۔

موضوعات کی وسعت:

عقائدِ اہلِ سنت

- مسلکِ اعلیٰ حضرت کا علمی تعارف
- جدید فتنوں کا جواب
- اخلاقیات و سیرتِ مصطفیٰ ﷺ
- اسلامی معیشت، تعلیم، اور معاشرت
- تصوف اور فقہ کا باہم تعلق
- حضرت نہ صرف عالم تھے، بلکہ **فہمِ زمانہ رکھنے والے خطیب** بھی تھے۔

عوامی نفسیات کا فہم:

حضرت فرمایا کرتے:
“خطبہ وہ ہے جو دل کی حالت بدلے، صرف ذہن نہ گنجلک کرے۔اور بیان وہ ہے جو سامع کو سجدے میں لے آئے، صرف تالیاں نہ بجوائے۔”اسی اصول پر ان کی تقریریں:

- **علم میں گہری**
- **زبان میں سادہ**
- **روح میں جذب**

اور انداز میں پر اثر ہوتیں

طلبا و علما کے لیے خصوصی دروس
ہر جمعرات بعد از عصر حضرت **“دروسِ فقہیہ”** دیتے:
یہ مجالس میں:

- فقہ کے نازک نکات
- جدید مسائل پر شرعی تحقیق
- اور فتاویٰ رضویہ کا تطبیقی استعمال شامل ہوتا۔
- طلبہ ان مجالس کو **“مدرسہ القلوب”** کہتے، کیونکہ وہاں **صرف علم نہیں، دل بھی زندہ ہوتے۔**
- حضرت کو ان کے معاصرین اور شاگرد **“خطیبِ مسلکِ رضا”** کہتے تھے۔
- اس لقب کی بنیاد:
- علم کی گہرائی
- مسلک پر استقامت
- عوام میں اثر
- اور فتنوں کے سامنے جراتِ اظہار

حضرت کا مشہور قول:

“خطابت وہ ہنر ہے جو اگر علم سے خالی ہو، تو نعرہ ہے —
اور اگر عشق سے خالی ہو، تو سیاست ہے
مگر جب علم اور عشق جمع ہو جائیں، تو وہ خطابت نہیں، ہدایت بنتی ہے۔”

مسلکِ اعلیٰ حضرت سے وابستگی، فکری بلوغت، اور فہمِ رضا کا آغا

تمہید:

جب تاریخِ اہلِ سنت کا چراغِ علم و معرفت اپنی روشنی پھیلا رہا تھا، اور عقیدہ، فقہ، اور تصوف کی فضاؤں میں مختلف افکار کے تیز جھونکوں نے اضطراب پیدا کر رکھا تھا، ایسے میں کچھ ہستیاں ایسی بھی تھیں جنہوں نے صرف علم کے مینار نہیں بنائے بلکہ عقیدے کے قلعے بھی تعمیر کیے۔
قبلہ مفتی صاحب انہی روشن میناروں میں سے ایک تھے، جنہوں نے محض علومِ دینیہ حاصل نہ کیے، بلکہ **"فہمِ رضا"** کو اپنی فکری اساس اور عملی راہ بنا لیا۔

یہ فہم کوئی جذباتی ردِ عمل نہ تھا، نہ ہی محض تقلیدی وابستگی۔ بلکہ یہ ایک **تحقیقی، مشاہداتی، درسی و روحانی سفر** کا حاصل تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے مسلکِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو فقط وراثت یا خاندانی پس منظر کی بنیاد پر نہیں اپنایا، بلکہ دلائل، مشاہدات، علمی تجربات، اور روحانی انکشافات کی روشنی میں اپنی فکری و عملی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالا۔

شعوری وابستگی: جذبات سے بلند، عقل سے ہم آہنگ

حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے:

"میں نے امام احمد رضا کو صرف کتابوں میں نہیں تلاشا — میں نے ان کی فکر کو اپنے زمانے کی روشنی میں پرکھا، سمجھا، اور پھر اس پر چلنے کا فیصلہ کیا۔"

یہ جملہ دراصل ان کے فکری بلوغت کی غمازی کرتا ہے۔
ان کا مسلکِ رضا سے تعلق محض نعرے بازی پر مبنی نہ تھا، بلکہ وہ اعلیٰ **حضرت کی** علمی وسعت، فکری گیرائی، فقہی بصیرت، عقیدے کی وضاحت، اور عشقِ رسول ﷺ کے انوارات **سے متاثر ہو کر اس مسلک کو** اپنانے پر قائل ہوئے۔

ان کی نظر میں اعلیٰ حضرت کا اندازِ فکر ایسا منہج تھا، جو:

عقل و نقل کا امتزاج تھا،تصوف و شریعت کی ہم

آہنگی تھا،سنت و عشق کا حسین امتزاج تھا
یہ شعوری وابستگی انہیں تقلید کی زنجیر میں جکڑنے کے بجائے تحقیق کی روشنی میں آزاد کرتی تھی۔

اعلیٰ حضرت کی تصانیف سے انسیت: مطالعہ، نوٹس، اور تدبر

حضرت مفتی صاحب نے اعلیٰ حضرت کی تحریروں سے محض اقتباسات نہیں لیے بلکہ ان کی تحریری زبان، علمی ساخت، اور فقہی تمحیص کو **دل و دماغ سے جذب** کیا۔ وہ "فتاویٰ رضویہ" کے مطالعہ کو صرف فقہی حوالے کے طور پر نہیں دیکھتے تھے، بلکہ اسے **امتِ مسلمہ کے لیے اجتہادی روشنی کا سرچشمہ** مانتے تھے۔ ان کی مطالعہ عادات میں درج ذیل نکات قابلِ توجہ ہیں:

ہر جلد میں **نشانات، حاشیے، اور ذاتی نوٹس**
حوالے جات کے ساتھ ذاتی مشاہدات کی تحریری شکل
مشکل فقہی مسائل پر اعلیٰ حضرت کے حل کی روشنی میں **معاصر مثالیں**
ان کی مطالعہ کردہ اہم کتب میں:

- **فتاویٰ رضویہ** (فقہ و عقائد)
- **احکامِ شریعت** (معاشرت و عقائد)
- **حدائقِ بخشش** (نعتیہ ادب و روحانیات)
- **المعتقد المنتقد** (عقائد اہلِ سنت)
- **نوری الاِیمان** (ردِّ ضالین)
- یہ سب کتب ان کی شخصیت کے خمیر میں اس حد تک شامل ہو چکی تھیں کہ وہ نہ صرف ان کے مضامین ازبر جانتے بلکہ ان پر مستقل درس بھی دیا کرتے تھے۔

فکری بلوغت: عقل و عشق کا حسین امتزاج

حضرت مفتی صاحب فرماتے:

“اعلیٰ حضرت عقل کو جذبات سے نہیں کاٹتے، بلکہ عشق کے آئینے میں عقل کو صیقل کرتے ہیں۔”

یہ بات ان کے فکری منہج کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ دین کو صرف جذباتی عقیدت یا فلسفیانہ منطق کے درمیان محدود نہیں رکھتے تھے، بلکہ دین کو **عقیدہ، فقہ، سیرت، اخلاق، ادب، اور تصوف** کے جامع نظام کے طور پر دیکھتے تھے۔

ان کی تعلیم میں شامل مضامین جیسے:

- فلسفہ
- منطق
- علمِ کلام
- عقائد
- تفسیر

یہ سب صرف درسی موضوعات نہ تھے، بلکہ وہ ان کی تطبیق کرتے کہ کیسے اعلیٰ حضرت نے ان علوم کو **اسلامی فکر سے ہم آہنگ** کیا۔

فہمِ رضا: مطالعہ سے تحریک تک

حضرت مفتی صاحب کا مسلکِ رضا سے تعلق محض نظریاتی یا درسی نہ تھا — یہ ان کی عملی زندگی کا دھارا، اور دعوتی مشن کا مرکز بن چکا تھا۔

انہوں نے **فہمِ رضا** کو صرف الفاظ یا اقتباسات میں نہیں رکھا، بلکہ اس کی **تحریکی جہتوں** کو سمجھا، اپنایا، اور آگے منتقل کیا۔

جب وہ "حدائقِ بخشش" پڑھتے، تو محض نعتیہ اشعار کی لذت نہیں لیتے، بلکہ ان میں پوشیدہ **عرفانی پیغام، توحید و رسالت کی توضیح، اور مسلکِ حق کی**

روحانی بنیاد تلاش کرتے۔
جب "فتاویٰ رضویہ" کھولتے، تو صرف حلال و حرام کے فتوے
نہیں دیکھتے، بلکہ اس کے پیچھے چھپے **زمانہ شناسی،**
عقلی تحلیل، اور سیرتِ فقہا کا تسلسل سمجھنے کی
کوشش کرتے۔

حضرت مفتی صاحب نے فرمایا:

“اعلیٰ حضرت کا کمال یہ نہیں کہ وہ کتنا جانتے تھے —
بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کو کتنی حکمت سے جانتے تھے۔”

یہی شعور اُنہیں **تحریکِ رضا** کا نظریاتی سالار بناتا
ہے، جہاں علم فقط ذہنی مشغلہ نہیں، بلکہ **سماجی**
انقلاب کا آلہ بن جاتا ہے۔

درسی حلقے اور "فکرِ رضا" کا فروغ

درسِ نظامی کے اساتذہ کی فہرست میں حضرت
مفتی صاحب کا نام ہمیشہ **متانت، استحضار، اور فکری**
تنوع کے ساتھ لیا جاتا۔

انہوں نے اپنے طلبہ کو صرف نصاب نہیں پڑھایا **بلکہ** نصاب کے
پیچھے چھپے نظریے کو سمجھایا۔

ان کا خاص انداز تھا کہ وہ ہر سبق کی تشریح کے
ساتھ فرماتے:

“اب اس کو دیکھو کہ اعلیٰ حضرت کیسے بیان کرتے؟
کیا ان کی روشنی میں یہ بات اور واضح نہیں ہو جاتی؟”

یہ انداز صرف حوالے دینے کا نہ تھا، بلکہ طلبہ کو
فکری نظام سے جوڑنے کا راستہ تھا۔

ان کے درسی مجالس میں یہ باتیں عام تھیں:

“فہمِ رضا" کوئی ماضی پرستی نہیں، بلکہ **عصرِ**
حاضر میں رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

“مسلکِ رضا" جامد نظریہ نہیں، بلکہ **متحرک،**
عقلی، اور روحانی تحریک ہے۔

“تحقیقی غیرت" اور "علمی نرمی" دونوں مل کر
دعوتِ اہلِ سنت بناتے ہیں

مسلکِ رضا بطور تحریکی فکر

حضرت مفتی صاحب نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کو صرف
خانقاہی اصطلاح یا **منبر و محراب کی نعرے بازی** تک
محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے:

معاشرتی اصلاح، مذہبی غیرت ،علمی تجدید ،اور روحانی ترقی، کا مجموعہ تصور کیا۔

ان کے نزدیک، اعلیٰ حضرت صرف ایک محدث، مفتی، یا شاعر نہ تھے بلکہ:

“امام احمد رضا اس دور کی فکری تحریک کا احیا تھے — جنہوں نے علم، عقل، عشق، اور غیرت کو ایک پیراہن دیا۔”

اسی لیے حضرت مفتی صاحب کے ہاں مسلکِ رضا:

صرف عقیدے کی پہچان نہ تھا

بلکہ **عملی سیاست، معیشت، دعوت، خطابت، اور تدریس** کے ہر گوشے پر حاوی تھا

فہمِ رضا اور دعوتِ غیر مقلدین

حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا ایک قابلِ ذکر پہلو یہ بھی تھا کہ انہوں نے مسلکِ رضا کو **دیگر فرقوں کے سامنے صرف رد کے انداز میں پیش نہ کیا، بلکہ دعوت و حکمت کے انداز میں فہم بخشا۔**

خصوصاً وہ نوجوان، جو سلفی یا غیربریلوی رجحان رکھتے تھے — اُنہیں مفتی صاحب اپنے اندازِ بیان، حکمت، اور حوالہ جات کے ذریعے قائل کر لیتے۔

وہ اکثر کہتے:

“ہم صرف رد نہ کریں، بلکہ یہ بھی بتائیں کہ ہمارے پاس متبادل کیا ہے۔ رد کے بعد جب حسنِ پیشکش نہ ہو تو دل سخت ہو جاتے ہیں۔”

اسی طرزِ فکر سے انہوں نے بہت سے متذبذب ذہنوں کو:

- عشقِ رسول کی حقیقت
- علمائے اہلِ سنت کی خدمات
- اعلیٰ حضرت کی حکمت و بصیرت سے روشناس کرایا۔
- فہمِ رضا اور فنِ فتویٰ

قبلہ مفتی صاحب نے جب فتویٰ نویسی کا میدان سنبھالا، تو ان کے قلم میں صرف علم ہی نہیں، بلکہ فہمِ رضا کی روشنی، عشقِ رسول کی خوشبو، اور فقہِ حنفی کی گہرائی موجزن ہوتی۔

انہوں نے فتویٰ کو صرف "مسئلے کا حل" نہ سمجھا، بلکہ اسے

ایک **دعوتی، اصلاحی، اور نظریاتی بیانیہ** بنایا۔
ان کا یہ طرز براہِ راست امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے اندازِ فتویٰ سے ماخوذ تھا۔ وہ فرمایا کرتے:
“اعلیٰ حضرت کا فتویٰ صرف جواب نہیں، ایک دروازہ ہے — جو سوال کو عقل و نقل کی روشنی میں توازن دیتا ہے۔”
حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں ہم دیکھتے ہیں:

سوالات کا عقلی و علمی تجزیہ

حوالہ جات کا **جامع ربط** (قرآن، حدیث، اقوالِ ائمہ، فتاویٰ رضویہ)سائل کی ذہن سازی اور **اصلاحی پہلو**
اہلِ بدعت و مخالفین پر علمی گرفت، مگر **ادب و وقار کے ساتھ**ان کے فتاویٰ میں خاص اصطلاحات جیسے:
”فہمِ رضا کی روشنی میں”، **“عقیدۂ أہلِ سنت کا تقاضا”**، **“اسلاف کی فکری ترجیحات”** وغیرہ بار بار آتی ہیں، جو ان کے فکری تسلسل کو ظاہر کرتی ہیں۔

منبر و محراب سے فکرِ رضا کی تبلیغ

حضرت مفتی صاحب کا منبر بھی محض وعظ و نصیحت کا ذریعہ نہ تھا — بلکہ **فکری و مسلکی رہنمائی کا مرکز** تھا۔
جمعہ کے خطبات، جلسوں کی تقاریر، اور میلاد و محافلِ نعت میں وہ ایسے انداز سے گفتگو فرماتے کہ:
عام فہم سامع بھی مستفید ہو، اور سنجیدہ طالبِ علم بھی متاثر ہو، عقیدہ بھی محفوظ رہے، اور اخلاق بھی بہتر ہو
ان کے خطابات میں دو باتیں ہمیشہ مشترک تھیں:
امام احمد رضا رحمہ اللہ علیہ کی فکر کا تعارف، مگر جدید حوالوں کے ساتھ
عشقِ رسول ﷺ اور ادبِ مصطفیٰ ﷺ کی ہمہ گیر دعوت
مثلاً، جب وہ توحید پر گفتگو فرماتے، تو اعلیٰ حضرت کی کتاب "المعتقد المنتقد" سے اقتباس دیتے، پھر اس کو عصرِ حاضر کے فتنوں پر منطبق کرتے۔
جب بدعاتِ سیئہ کا تذکرہ ہوتا، تو "احکامِ شریعت" سے نقل کر کے واضح فرماتے کہ "یہ اعتراض صرف شرعی نہیں، **تحریکی اور تہذیبی فتنہ** بھی ہے۔”

اعلیٰ حضرت کا فقہی منہج اور عصرِ حاضر

حضرت مفتی صاحب کی سب سے بڑی علمی خدمات میں سے ایک یہ تھی کہ انہوں نے **اعلیٰ حضرت کے فقہی منہج کو وقت کے مسائل پر منطبق کیا۔**

چند مثالیں:

جدید بینکاری کے مسئلے پر فتویٰ دیتے وقت وہ اعلیٰ حضرت کے معاشی اصول بیان کرتے، مثلاً "سود کی تعریف"، "ربا کا اطلاق"، "معاملاتی فتنے" وغیرہ۔

نکاح و طلاق جیسے حساس موضوعات پر وہ "فتاویٰ رضویہ" کے اصولی نکات پیش کرتے اور شریعت کے ساتھ معاشرتی پہلو کو بھی واضح کرتے۔

عقائدِ باطلہ کے رد میں وہ صرف تنقید نہیں کرتے بلکہ "عقیدۂ اہلِ سنت" کی مثبت بنیادیں رکھتے۔

ان کا کہنا تھا:

“اعلیٰ حضرت نے کوئی نیا فقہ پیش نہیں کیا — بلکہ فقہِ حنفی کو جدید انداز میں محفوظ کیا۔ اور یہ ذمہ داری ہر دور کے علما پر ہے کہ وہ فہمِ رضا کو وقت کی زبان دیں۔”فہمِ رضا: صرف علم نہیں، نظریاتی پختگی

حضرت مفتی صاحب کے نزدیک فہمِ رضا کوئی مخصوص کتابوں کا مطالعہ نہ تھا — بلکہ ایک **نظریاتی پختگی** تھی۔

وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں، حتیٰ کہ انتظامی امور، طلبہ کی تربیت، مدارس کے نظام، اور تحریری معاملات میں بھی اسی فکر کی جھلک دیتے۔

ان کا ادارہ ہو یا فتویٰ ڈیسک، کتاب ہو یا تقریر، ہر جگہ ان کی ترجیح یہ تھی:

“فکرِ رضا" کو نئے انداز میں پیش کرنا "مسئلہ" کو "فکر" سے جوڑنا "وابستگیٔ" کو "ذمہ داری" میں بدلنا

دعوتی حکمت: مسلکِ رضا کا نرم مگر مضبوط اسلوب

حضرت مفتی صاحب کی علمی شخصیت کی ایک خاص پہچان یہ تھی کہ وہ اختلافی موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے

شدت کی بجائے حکمت اور دلائل کو ترجیح دیتے۔
وہ فرماتے:"ہماری دعوت سختی سے نہیں، شفقت سے کامیاب ہوگی — امام احمد رضا کی کتابیں صرف رد نہیں کرتیں، وہ اصلاح بھی کرتی ہیں۔”انہیں علم تھا کہ مخاطب اگر نوجوان ہو یا دوسرے مسلک سے تعلق رکھتا ہو، تو سخت لب و لہجہ مؤثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا اندازِ گفتگو کو اپنایا جو:

- مدلل ہو، مگر متکبر نہ ہو،واضح ہو، مگر توہین آمیز نہ ہو،مسلکِ رضا کا تعارف بنے، تفرقے کا سبب نہ بنے
- مثلاً جب وہ دیوبندی یا اہلِ حدیث نظریات پر گفتگو فرماتے، تو **فتاویٰ رضویہ** کے دلائل کو ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں **افہام و تفہیم کا انداز** اختیار کرتے۔

بین المسالک مکالمہ: وحدت کے ساتھ وضاحت

حضرت مفتی صاحب کا بین المسالک کردار بھی بہت اہم تھا۔ وہ فرقہ وارانہ تعصب سے بالا ہو کر، **مسائل کی وضاحت کے ساتھ اتحاد کی فضا** قائم کرنے کی کوشش کرتے۔
ان کا اصول تھا:

“ہماری تمیز نظریاتی ہے، شخصی نہیں — ہم غلط عقیدے کو رد کرتے ہیں، انسان کو نہیں۔”

اسی لیے:

- وہ غیر مقلدین سے مکالمہ کرتے، مگر اخلاق سے
- وہ بدعات کے خلاف بولتے، مگر عام سادہ لوح افراد کی دل آزاری سے بچتے
- وہ مسلکی حدود قائم رکھتے، مگر مکالمہ کے دروازے بند نہ کرتے

یہی فہم رضا کی اصل روح ہے:
”سچائی پر قائم رہنا، مگر حکمت کے ساتھ پھیلانا”

شخصیت سازی: طلبہ کی فکری تربیت

حضرت مفتی صاحب صرف معلم نہ تھے — وہ مربی بھی تھے۔
انہوں نے طلبہ کو **کتابیں رٹوانے** کی بجائے **فکر عطا کرنے** کو ترجیح دی۔ ان کے درس میں شامل یہ نکات خاص اہمیت

رکھتے:

- **ہر مسئلے کو اس کی نظریاتی بنیاد سے جوڑنا**
- **اعلیٰ حضرت کے افکار کو دورِ جدید کے سوالات سے مربوط کرنا**
- **دلائل کی مشق کرانا، نہ کہ صرف یاد کروانا**
- **تحقیقی مزاج پیدا کرنا، نہ کہ فقط تقلیدی رجحان**

وہ فرماتے:

"طلبہ صرف فاضل نہ بنیں، حاملِ فکر بھی بنیں — اور یہ فکر، فکرِ رضا ہو، جو عقل، عشق، علم، اور عمل کا امتزاج ہے۔"

عصرِ حاضر کے فتنے اور فہمِ رضا

حضرت مفتی صاحب نے جدید فتنوں کو صرف وقتی ابھار نہ سمجھا بلکہ انہیں **نظریاتی چیلنجز** قرار دیا۔ چاہے وہ:

لبرلزم اور "مذہب بیزاری" ہو
باطنی فرقے اور گمراہ صوفی تحریکیں ہوں
یا **سائنس و ٹیکنالوجی کے نام پر دین کی تحریف** ہو

حضرت مفتی صاحب نے ان سب کے جواب **اعلیٰ حضرت کی فکر** سے فراہم کیے۔

مثال کے طور پر:

فتنے کا نام	جواب میں اعلیٰ حضرت کی فکر
عقیدۂ ختمِ نبوت پر حملے	تقدیسُ القادری" اور "احکامِ شریعت" کے دلائل
عقل پرستی اور دہریت	"المعتقد المنتقد" اور علمِ کلام کے اصول
ناموسِ رسالت ﷺ پر گستاخیاں	الدولت المکیہ" اور عشقِ رسول ﷺ کی غیرت

حضرت مفتی صاحب کہتے:

اعلیٰ حضرت صرف ایک مفتی نہ تھے، وہ زمانے کے فتنے کو پہچاننے والے مجدد تھے — اُن کی فکر ہر دور کے لیے مشعلِ

راہ ہے۔”

شعوری وابستگی:

حضرت مفتی صاحب نے **مسلکِ اعلیٰ حضرت** کو محض خاندانی یا جذباتی وابستگی کی بنیاد پر نہیں اپنایا — بلکہ اسے ایک **شعوری انتخاب** کے طور پر اختیار کیا۔

’’میں نے امام احمد رضا کو فقط پڑھا نہیں، میں نے اُنہیں سمجھا ہے۔‘‘

یہ قول اُن کے فکری ارتقا کی ترجمانی کرتا ہے — کہ انہوں نے تحقیق، مطالعہ، مشاہدہ، اور درسی تجزیے سے مسلکِ رضا کو اپنایا۔

2۔ مطالعہ و انسیت:

اعلیٰ حضرت کی کتابوں سے اُن کی **غیر معمولی انسیت** اور **فکری وابستگی** ظاہر کرتی ہے کہ وہ صرف قارئ نہیں تھے، بلکہ **محبِ رضا** تھے۔

- فتاویٰ رضویہ
- احکامِ شریعت
- المعتقَد المنتقد
- نوری الایمان
- حدائقِ بخشش

ان کتابوں کے مطالعے نے ان کے ذہن کو فکرِ رضا کا حامل بنایا، جس میں فقہ، عقیدہ، تصوف، اور عشقِ رسول ﷺ کا حسین امتزاج تھا۔

3۔ فکری بلوغت:

حضرت مفتی صاحب نے **عقل و عشق کے امتزاج** کو امام احمد رضا کی فکر کا جوہر قرار دیا۔
وہ فرمایا کرتے تھے:

“اعلیٰ حضرت عقل کو عشق سے الگ نہیں کرتے، بلکہ عشق کے آئینے میں عقل کو نکھارتے ہیں۔”

انہوں نے فلسفہ، منطق، اور کلام کو **مسلکِ رضا** کی روشنی میں ہم آہنگ کیا، اور نظریاتی تربیت کو درسی مواد سے جدا نہ کیا۔

4۔ فہمِ رضا بطور تحریکی شعور:

حضرت مفتی صاحب نے **فہمِ رضا** کو صرف مطالعہ

کا حاصل نہ سمجھا بلکہ اسے **تحریک، مشن، اور نظریاتی طرزِ حیات** کے طور پر اختیار کیا۔

“جس نے اعلیٰ حضرت کو فقط بریلی میں بند کیا، اُس نے مسلکِ رضا کے دروازے بند کیے۔”

ان کے ہاں امام احمد رضا کی فکر **وقت کے تقاضوں کا جواب** تھی — جس نے ان کے فتویٰ، خطابت، اور تدریس میں ایک نئی روح پیدا کی۔

5۔ فتویٰ نویسی میں فہمِ رضا کا اطلاق:

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ صرف شرعی احکام نہیں، بلکہ **فکری بیانات** ہوتے تھے۔
ہر فتویٰ میں ہم دیکھتے ہیں:

- شرعی دلیل
- نظریاتی وضاحت
- تربیتی پہلو
- عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا رنگ

6۔ منبر و محراب سے مسلکی پیغام:

ان کے خطبات فکری بھی ہوتے، روحانی بھی۔ وہ عام فہم زبان میں بھی امام احمد رضا کی فکر کو مؤثر انداز سے منتقل کرتے۔

- میلاد کی محافل میں عشقِ رسول ﷺ کا پیغام
- عقائد کے جلسوں میں امام احمد رضا کا فکری دفاع
- عوامی خطاب میں فقہ و شریعت کی ترویج

7۔ دعوتی حکمت اور بین المسالک اخلاقیات:

اختلافات کو فتنہ بنانے کی بجائے **اصلاح کا ذریعہ** بنایا۔
ان کے طرزِ دعوت میں:

- دلائل کی روشنی
- نرم لہجہ
- فکری وقار
- دوسروں کے لیے خیر خواہی

یہ سب خصوصیات ہمیں امام احمد رضا کے اسلوب

میں بھی نظر آتی ہیں، جنہیں انہوں نے احیاء کیا۔

8۔ شخصیت سازی:

طلبہ کی تربیت میں وہ صرف کتابیں نہیں پڑھاتے تھے، بلکہ **فکر دیتے تھے۔**
وہ کہتے تھے: "استاد کا کام علم دینا نہیں، نظریہ دینا ہے — تاکہ شاگرد وقت میں چراغ بنے۔"

9۔ معاصر فتنوں کا رد:

حضرت مفتی صاحب نے عصرِ حاضر کے فتنوں — جیسے لبرل ازم، ناموس رسالت پر حملے، بین المذاہب گمراہی، اور انٹرنیٹ پر پھیلتے نظریات — کے جواب میں امام احمد رضا کی فکر کو نافذ کیا۔

حضرت مفتی صاحب کی **وابستگی کا اظہار** نہیں، بلکہ ان کی **فکری و علمی تعمیر** کا خاکہ ہے۔
یہ وہ بنیاد ہے جس پر:

- ان کی **فتویٰ نگاری** نے بین الاقوامی معیار حاصل کیا
- ان کی **خطابت** نے لوگوں کو فکری جہت دی
- ان کی **تعلیم و تربیت** نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کے کارکن پیدا کیے

پہلا باضابطہ تعلیمی ادارہ — دارالعلوم جامعہ قادریہ جیلانیہ

یہ وہ ادارہ ہے جس سے حضرت کا **آخری اور مؤثر تدریسی رشتہ رہا۔**
آپ 2016ء سے **اس ادارے کے مہتمم، مدرسِ اعلیٰ اور فکری رہنما** رہے۔

- تدریسی شعبہ جات:
- اصولِ فقہ
- فقہِ حنفی (کنزالدقائق، ہدایہ)
- اصولِ حدیث (نخبۃ الفکر، مقدمہ ابن الصلاح)

کلامیات (شرح عقائد، عقائد نسفی)

- تصوف (رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب)
- سیرت و اخلاق

تدریس کا اسلوب — علمی ضبط + روحانی ذوق

حضرت کا اندازِ تدریس:درسہ سے پہلے وضو کر کے تلاوت سبق میں واضح عنوانات، نکات، اور خلاصہ

طلبا سے سوالات کا تبادلہ مشکل عبارات کی آسان تفہیم اور ہر سبق کے آخر میں **اخلاقی یا روحانی نتیجہ**

مثال: جب آپ "ہدایہ" کا سبق پڑھاتے،تو صرف فقہی مسائل نہیں،بلکہ **ان کے سماجی اثرات** اور **تاریخی پس منظر** بھی شامل کرتے۔

طلبہ سے تعلق — محبت میں استاد، شفقت میں والد

حضرت طلبا کو صرف "طالب علم" نہیں،
بلکہ **امت کا سرمایہ** اور **علم کا وارث** سمجھتے تھے۔

آپ کا معمول: ہر ماہ طلبا کی انفرادی ملاقات ذہنی الجھنوں پر علیحدہ مشورہ فیس یا کتب کی کمی پر ذاتی مالی مدد فجر سے پہلے طلبا کے ساتھ تہجد اور ذکر ایک طالب علم کا جملہ تھا: "ہم نے علم سیکھا، مگر حضرت سے ہم نے زندگی کو سمجھا۔"

درسی کتابوں کی تدریس پر حاشیے اور نوٹس

حضرت نے ہر بڑی کتاب پر:

خود ساختہ نوٹس ،تعلیقات،متبادل مثالیںاور بعض

جگہوں پر زیرِ سوال فتاویٰ کا اطلاقتیار کیا ہوتا ہے

یہ نوٹس بعض اوقات "خلاصۂ سبق" کے طور پر تمام کلاس کو فراہم کیے جاتے۔

امتحانی نظام — شفقت کے ساتھ وقار

حضرت کا امتحانی نظام محض سوالات کا سیلاب نہیں ہوتا تھا —بلکہ وہ:

سوالات کو سبق کے زاویے سے نکالتے،حفظِ معلومات کے ساتھ فہم کی جانچ کرتے،ہر پرچے پر "علمی تبصرہ" لکھتے،اور طلبا کو مخصوص دعاؤں سے نوازتے،فرماتے:

“امتحان صرف نقل سے بچنے کے لیے نہ ہو —بلکہ خود کو بہتر جانچنے کا موقع ہو۔”

دروسِ قرآن اور دینی اجتماعات میں تدریس،حضرت نے محض کلاس روم تک خود کو محدود نہیں رکھابلکہ:

ہر رمضان دروسِ قرآن دیتے

ہر ماہ مخصوص دینی موضوع پر **“درسِ خصوصی”** کا اہتمام

سالانہ "علمی مذاکرے" جہاں طلبا مقالات لکھتے اور پڑھتے

→ اس سے طلبا میں **تحریر، تقریر، تحقیق، اور تدبر** کے جوہر اجاگر ہوتے۔

طلبا کی علمی ترقی کا مسلسل جائزہ

حضرت نے ایک باقاعدہ سسٹم بنایا:

ہر طالب علم کی **علمی سطح** کا سالانہ جائزہ

استاد، شاگرد، اور والدین کی مثلث پر مبنی رپورٹ

ہر شاگرد کی کمزوریوں پر "اصلاحی مشورہ”

آپ فرمایا کرتے:

“یہ ادارہ صرف امتحان میں کامیاب ہونے کی جگہ نہیں — بلکہ زندگی میں کامیاب انسان تیار کرنے کی جگہ ہے۔

علماءکی تربیت: جو طلبا دورہ حدیث مکمل کر لیتے، ان کے لیے آپ خصوصی کلاسز کا انعقاد کرتے جن میں: فتویٰ نویسی خطابت دعوتی حکمت میڈیا سے مخاطب ہونے کا آداب اور مسلکی استقامت سکھائی جاتی → یہی وجہ تھی کہ آپ کے شاگرد نہ صرف **عالم**، بلکہ **مؤثر داعی** بھی بنتے۔

طلبہ کی نمایاں کامیابیاں

حضرت کے شاگرد:

- کئی دارالعلوموں میں مدرس
- مختلف مساجد میں خطیب
- دینی اداروں میں مدیر
- اور دعوتی تنظیموں میں ناظم بنے

ایک مشہور طالب علم نے کہا:
"ہماری شناخت اگر 'مفتی' ہے،
تو یہ حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی دعا اور نگرانی کا نتیجہ ہے۔"

تبلیغِ مسلکِ رضا: نرمی، حکمت اور استقامت کے ساتھ

حضرت مفتی صاحب نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کو عام کرنے کے لیے **شعلہ بیانی یا جارحانہ لب و لہجے** کے بجائے **حکمت، بصیرت اور دِل نشینی** کا راستہ اختیار کیا۔ ان کا اسلوب یہ تھا کہ وہ مخالف کو جھٹلاتے نہ تھے بلکہ دلیل، محبت، اور اعلیٰ اخلاق سے قائل کرتے۔ وہ فرمایا کرتے:
"اعلیٰ حضرت کی دعوت علم و محبت کی تھی، نہ کہ نفرت یا طعن و تشنیع کی۔"

اسی بنیاد پر ان کی تقاریر، دروس، اور دروسِ فتاویٰ میں **دلائل کا توازن اور انداز کی نرمی** نمایاں ہوتی، جو نوجوان ذہنوں کو خاص طور پر متأثر کرتی۔

غیرتِ مسلک: اصولوں پر غیر متزلزل استقامت

مفتی صاحب کی شخصیت کا ایک روشن پہلو **غیرتِ مسلک** تھی۔ اگرچہ وہ نرمی و حکمت کے قائل تھے، لیکن جب کہیں **مسائلِ عقیدہ یا گستاخیِ رسول** ﷺ کا معاملہ ہوتا، تو وہ شیرِ ببر بن جاتے۔ ان کے لہجے میں وہی گرج سنائی دیتی جو "الدولۃ المکیۃ"، "احکام شریعت" اور "کنز الایمان" جیسے متون کی روح ہے۔

ایک موقع پر فرمایا:
"غیرتِ ایمان وہ چنگاری ہے جس کے بغیر محبتِ رسول ﷺ صرف نغمہ بن کر رہ جاتی ہے۔"

تحریر و تقریر میں تربیت کا پہلو

حضرت مفتی صاحب کی علمی مجالس صرف علمی معلومات کی فراہمی کا ذریعہ نہ تھیں، بلکہ ان کا انداز ایسا تھا جو سامع کو فکری طور پر تشکیل دیتا۔ وہ نوجوانوں کے دل میں "مسلکِ رضا" کی عظمت ایسے بٹھاتے کہ وہ صرف متاثر نہ

ہوتے، بلکہ خود بھی اس کے داعی بن جاتے۔
ان کے شاگردوں میں آج بھی کئی افراد ایسے ہیں جو اپنے وعظ، تدریس اور تصنیف میں انہی خطوط پر چلتے ہیں۔

مزاج میں اعتدال، فکر میں استحکام

مفتی صاحب کے مسلکی انداز کی ایک بڑی خصوصیت اعتدال تھا۔ وہ نہ انتہا پسند بنے، نہ مداہنت پسند۔ جہاں حق کا معاملہ ہوتا، وہاں غیرت سے بولتے؛ اور جہاں دعوت کا مرحلہ ہوتا، وہاں نرمی، برداشت اور اخلاص سے دل جیتتے۔ یہی وہ "فہمِ رضا" تھا جسے وہ اپنا شعار بنائے ہوئے تھے

علمی روایتِ رضا میں حضرت مفتی صاحب کا مقام

فتویٰ نویسی میں انفرادیت

حضرت مفتی صاحب کی فتویٰ نویسی صرف معلومات کی ترسیل نہ تھی، بلکہ وہ فتاویٰ کو امت کی اصلاح کا ایک اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔ وہ ہر فتویٰ میں مسلکِ اعلیٰ حضرت کی فقہی دقت، عقیدے کی صفائی، اور زبان کی نفاست کو قائم رکھتے۔

ان کے فتاویٰ میں نہ صرف "فتاویٰ رضویہ" کی خوشبو ہوتی بلکہ "فتاوٰی امجدیہ"، "فتاوٰی مرکز اہل سنت" اور "فتاوٰی فیض الرسول" جیسے علمی ذخائر سے بھی وہ استشہاد کرتے۔ فرمایا:

”فتویٰ صرف جواب نہیں، ایک فکری امانت ہے — جسے بوجھ سمجھ کر لکھنا چاہیے، غرور سمجھ کر نہیں۔“

شاگردوں کی تربیت: صرف علم نہیں، فکر بھی دی

مفتی صاحب کی مجلس صرف تعلیم کا مرکز نہیں بلکہ فکری تربیت گاہ تھی۔ وہ شاگردوں کو صرف علم نہیں دیتے تھے، بلکہ سوچنے کا سلیقہ، حق و باطل کا شعور، اور عقیدے و ادب کا توازن بھی سکھاتے تھے۔

کئی مرتبہ طلبہ کے سوالات کے جواب میں وہ صرف حکم نہیں سناتے بلکہ پس منظر، فقہی مذاق، اور اخلاقی ذمہ داری کا بھی شعور دیتے۔

ان کا ایک مشہور جملہ تھا:

"علم وہی معتبر ہے جو ادب کے ہاتھوں سے لیا جائے، ورنہ صرف الفاظ کا ہجوم ہے۔"

اکابرِ مسلک سے وابستگی و استفادہ

حضرت مفتی صاحب نے مسلکِ رضا کی علمی روایت سے اپنا تعلق صرف کتابی یا شخصی وابستگی کی حد تک محدود نہ رکھا، بلکہ اکابرِ اہلِ سنت سے براہِ راست علمی و روحانی استفادہ کیا۔ ان میں خاص طور پر:

- مفتی اعظم ہند مفتی مصطفیٰ رضا خان قادری علیہ الرحمہ
- مفتی عبدالرحیم بستوی رحمۃ اللہ علیہ
- مفتی اختر رضا خان (تاج الشریعہ) رحمۃ اللہ علیہ
- مفتی محمد عمر اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

جیسے عظیم علماء شامل ہیں۔ ان سے علمی استفادہ، ملاقاتیں، اور عقیدت آمیز تعلق نے ان کے نظریات کو اور بھی پختہ کیا۔

تحریری سرمایہ: فکرِ رضا کا تسلسل

حضرت مفتی صاحب نے کئی مقالات، فتاویٰ، اور رسائل تحریر فرمائے جو مسلکِ رضا کے علمی تسلسل کا حصہ ہیں۔ ان کی تحریروں میں خلوص، تحقیق، اور جذبۂ خدمت نمایاں ہے۔ وہ اکثر کہتے:

"اگر میری تحریر سے کوئی فتنہ رُکے، اور کسی کے دل میں عشقِ رسول ﷺ جاگے — تو میری عمر کا حاصل پورا ہو گیا۔"

عوامی سطح پر مسلکِ رضا کی ترجمانی

مسلکِ رضا: فقط اہلِ علم کا مسلک نہیں

حضرت مفتی صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ مسلکِ اعلیٰ حضرت کو عوام الناس کی فہم اور ضرورت کے مطابق پیش کرتے۔ ان کے نزدیک یہ مسلک کسی مخصوص طبقے، ادارے، یا خانوادے کی میراث نہیں، بلکہ پوری امتِ محمدیہ ﷺ کا علمی، روحانی، اور فکری اثاثہ ہے۔ وہ فرمایا کرتے:

"مسلکِ رضا صرف عالم کے لیے نہیں — مزدور، دکاندار، استاد، طالبعلم، سب کے لیے ہے۔ بس اندازِ پیشکش

الگ ہونا چاہیے۔”

عوامی اصلاح: درسِ قرآن، حلقہ ہائے ذکر، اور اجتماعی فتاویٰ

مفتی صاحب نے شہروں، بستیوں، دیہات اور محلوں میں علمی و اصلاحی مجالس کا ایک مربوط نظام قائم کیا۔ ان کے حلقہ ہائے درس میں قرآن و حدیث، سیرت النبی ﷺ، اور مسائلِ زندگی کا ذکر نہایت آسان، فصیح، اور قلوب کو چھو لینے والے انداز میں ہوتا۔

ان کے حلقہ ہائے ذکر میں نہ صرف وظائف بتائے جاتے بلکہ ان کی فقہی حدود بھی واضح کی جاتیں۔

اجتماعی فتاویٰ میں وہ عوام کے پیچیدہ مسائل کو سادہ الفاظ میں بیان کرتے اور اعلیٰ حضرت کے نظریاتی دائرے میں حل پیش کرتے۔

سماجی مسائل پر فقہی و مسلکی رہنمائی

معاشرتی انتشار، خاندانی اختلافات، جدید بینکاری نظام، شادی بیاہ کی رسومات، اور دیگر روزمرہ معاملات پر حضرت مفتی صاحب نے مسلکِ رضا کی روشنی میں رہنمائی فراہم کی۔ ان کے نزدیک فقہ صرف کتابی علم نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کا رہنما اصول ہے۔ وہ جدید مسائل کو اعلیٰ حضرت کی بصیرت سے جوڑ کر عوام کو یہ باور کراتے کہ:جو مسلک کل کے فتنوں کا جواب تھا، وہی آج کے اشکال کا حل ہے — بشرطیکہ ہم اسے صرف یاد نہ کریں، اپنائیں بھی۔”

اخلاقی تحریک: کردار کی تبلیغ

حضرت مفتی صاحب کا عقیدہ تھا کہ اگر **کردار، سچائی، وعدہ وفائی، اور حسنِ معاشرت** میں اہلِ سنت ممتاز نہ ہوں، تو مسلکِ رضا کا صرف نعرہ کافی نہیں۔

اسی لیے وہ اپنے شاگردوں، وابستگان، اور حتیٰ کہ عوام کو بھی کہتے:

“اعلیٰ حضرت کی زبان سے نہیں، تمہارے کردار سے پہچانا جائے کہ تم کس مسلک سے ہو!” مخالف مکاتبِ فکر کے ساتھ علمی مکالمہ اور مسلکِ رضا کی برتری

مکالمہ کا آداب اور نظریاتی وضاحت

حضرت مفتی صاحب نے مخالف مکاتبِ فکر سے اختلاف کو کبھی **شخصی عناد** کا رنگ نہ دیا، بلکہ ہمیشہ **دلائل، اصول، اور وقار** کے دائرے میں رہ کر بات کی۔

ان کا اصول تھا:

“فرقہ پرستی جہالت سے جنم لیتی ہے — مگر مسلکی تمسک، علم سے پروان چڑھتا ہے۔”

وہ کبھی بھی دوسروں کو **برابھلا کہنے یا مناظرہ بازی کی آگ** کو ہوا دینے کے قائل نہ تھے۔ ان کی حکمت یہ تھی کہ وہ **دلائل کے آئینے میں مسلکِ رضا کی حقانیت** کو پیش کرتے، اور خود کو کبھی الزام تراشی کے میدان میں نہیں گھسیٹتے۔

علمی برتری کے ساتھ اخلاقی عظمت

جب کبھی مخالف مکاتبِ فکر کے علما سے بحث یا سوال و جواب کا موقع آتا، تو حضرت مفتی صاحب کے اندازِ بیان میں:

- ادب، وقار، اور الفاظ کا چناؤ مثالی ہوتا
- وہ صرف **کتبِ سلف** سے نہیں، بلکہ معاصر علما کی تحریروں سے بھی واقف ہوتے
- ان کی گفتگو میں صرف رد نہیں، متبادل پیشکش بھی ہوتی

مثال کے طور پر اگر کسی نے مقامِ مصطفیٰ ﷺ پر اعتراض کیا، تو مفتی صاحب محض اعتراض کا رد نہیں کرتے، بلکہ **ایسی مثبت تعبیر پیش کرتے** جس سے سامع قائل بھی ہو، اور متاثر بھی۔

فرقہ باطلہ پر غیرت کے ساتھ مدلل جواب

اگرچہ وہ رواداری کے قائل تھے، لیکن جہاں مسئلہ **عقائدِ ضروریہ، شانِ رسالت ﷺ، یا تحفظِ ختم نبوت** کا آتا، وہاں ان کا لب و لہجہ بدل جاتا۔

وہ فرمایا کرتے:

“یہ مسلک محبتِ رسول ﷺ کا قلعہ ہے — اور قلعے کی دیواریں نرم نہیں ہوتیں!”

ایسے مواقع پر ان کی تقریر میں:

- آیات و احادیث کے حوالہ جات
- اعلیٰ حضرت کے اقتباسات
- مسلکِ اہلِ سنت کے متقدمین کی آراء

بڑے مرتب سے شامل ہوتیں، جس سے سامعین کو یقین ہو جاتا کہ **علم و غیرت کا امتزاج** یہی مسلکِ رضا ہے۔

بین المسالک رواداری، مگر اپنی شناخت کے ساتھ

حضرت مفتی صاحب کا یہ طرہ امتیاز رہا کہ انہوں نے مسالک کے درمیان فاصلہ کم کرنے کی ہر کوشش کو سراہا، مگر کبھی "مسلکی مداہنت" کا شکار نہ ہوئے۔
وہ کہتے:
“رواداری کا مطلب اپنی بنیاد کھودینا نہیں، بلکہ اپنی بنیاد پر کھڑے ہو کر دوسرے کو برداشت کرنا ہے۔”

عالمی اثرات، بین الاقوامی دعوت اور مسلکِ رضا کی عالمی پیشکش

ابتدائی بین الاقوامی روابط — فکرِ رضا کا پہلا بیرون ملک سفر

علم کی خوشبو صرف ایک شہر، ایک ملک یا ایک قوم تک محدود نہیں ہوتی —
بلکہ جہاں خلوص ہو، علم ہو، اور اخلاص کے ساتھ فکر ہو، وہاں یہ خوشبو خود بخود سرحدیں پار کر جاتی ہے۔

حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کی علمی زندگی میں ایک نہایت اہم پہلو ان کا **بین الاقوامی فکری اثر تھا،**
جس نے مسلکِ رضا کو حیدرآباد، پاکستان سے لے کر عرب و عجم، یورپ و خلیج تک پہنچا دیا۔

✈ پہلا بین الاقوامی سفر — مدینہ منورہ، سعودی عرب

سب سے پہلا بیرون ملک علمی سفر **مدینہ منورہ** کا تھا —
جہاں آپ نے **زائرین و علما کی خصوصی نشستوں** میں:

مسلکِ اہلِ سنت کی علمی بنیادیں

امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ علیہ کی حدیث فہمی

اور وحدتِ امت کے لیے اعلیٰ حضرت کی خدمات

→ پر تفصیلی گفتگو فرمائی۔علما نے کہا:

“یہ شخصیت صرف پاکستان کی نہیں —
یہ بریلویت کی بین الاقوامی تصویر ہے۔”

🕌 علمی نشستیں و زیارات — شام، عراق، ایران

شام:

دمشق کی مجالسِ علم میں آپ نے **تصوف و فقہ** کے باہمی تعلق پر عرب علما کے سامنے بیان دیا۔

عراق:

حضرت نے بغداد شریف میں اعلیٰ حضرت اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے **نظریاتی اشتراک** پر روشنی ڈالی۔

ایران:

مشہد، قم اور دیگر شہروں میں آپ نے **فقہِ حنفی اور عشقِ رسول ﷺ** کو علمی بنیادوں پر بیان کیا۔

ان مجالس میں:
عرب علما، طلبہ، محققین
اہلِ طریقت و فقہائے معاصر
→ شریک ہوتے اور آپ کے بیان کو **“روایتی فقہ و جدید فہم" کا حسین امتزاج** قرار دیتے۔

رضوی فکر کا عالمی پیغام

- حضرت کی فکر نے تین نکات کو عالمی سطح پر اجاگر کیا: **محبتِ رسول ﷺ پر ایمان کی بنیاد فقہِ حنفی کی حکمت اور لچک صوفیائے کرام کا کردار اور اعتدال** یہ تین نکتے ان کے ہر بیان، فتویٰ، اور تحریر میں جھلکتے تھے — جس سے دنیا کو علم ہوا کہ: “بریلویت ایک فرقہ نہیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ سے عشق کا معتدل، فقہی، اور روحانی مکتب ہے۔” عالمی شاگرد و متأثرین آپکےشاگرداب
- یوکے میں خطیب :

- یو اے ای میں مدرس
- افریقہ میں داعی
- اور یورپ میں محققین کے حلقے قائم کر چکے ہیں

وہ خود کو **"سفیرِ فکرِ مفتی عظمت علی قادری"** کہتے ہیں

باب سوم

علمی عظمت و فقہی مقام

ابتدائی علمی ماحول، مطالعہ پسندی، اور فقہی و اصولی شغف کا آغاز

قبلہ مفتی صاحب کی علمی زندگی ایک روشن مینار کی مانند ہے، جس کی بنیاد علم، مطالعہ، فہم، اور تدبر پر استوار تھی۔ ان کے علمی سفر کا آغاز جس سنجیدگی، اخلاص اور فکری بصیرت سے ہوا، وہ خود ایک مستقل تاریخ ہے۔ ان کے مطالعہ کی وسعت، فقہی اصولوں پر گہری نظر، اور حدیث و علوم اسلامیہ سے وابستگی نے انہیں دورِ جدید کے نمایاں اہلِ علم میں شامل کر دیا۔

۱ علمی ماحول کی ابتدا

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ کو ابتدا ہی سے ایک ایسا علمی، روحانی، اور فکری ماحول میسر آیا جہاں مطالعہ، تحقیق، اور علما کی صحبت کو مرکزی مقام حاصل تھا۔ ان کے گھرانے میں دینی کتب کا ذخیرہ موجود تھا، اور ان کی ابتدائی زندگی ہی سے یہ رجحان نمایاں ہو گیا تھا کہ وہ عام بچوں سے مختلف انداز میں وقت گزارتے:

وہ بچپن میں کھیل کود کے بجائے اکثر کتابوں کی ورق گردانی میں مصروف رہتے۔

ان کے والد محترم اور اساتذہ کرام نے بھی ان کی علمی استعداد کو پہچان کر اس کی بھرپور تربیت کی۔
حضرت مفتی صاحب کا ابتدائی دینی تعلیم کا سلسلہ **درسِ نظامی** کے روایتی اور عمیق انداز پر قائم تھا، جہاں انہوں نے:

صرف و نحو
منطق و فلسفہ
اصولِ فقہ
فقہِ حنفی
اصول الحدیث

جیسے علوم میں ابتدا ہی سے مہارت حاصل کر لی۔

مطالعہ پسندی اور شغف

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کا نمایاں پہلو ان کی مطالعہ پسندی تھی۔ ان کے مطالعے کا انداز محض صفحات پڑھ لینے تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ ہر عبارت کو گہرائی سے سمجھتے، نشان دہی کرتے، اور اس پر نوٹس بناتے تھے۔ انہیں:عربیہ کتبِ تراث (مثلاً: ہدایہ، کنز، نورالایضاحہ صحیح البخاری، مشکوٰۃ)اردو دینی ادب (مثلاً: فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت، خزائن العلم، احکامِ شریعت)فارسی کتب (مثلاً: کشف المحجوبہ گلستان، بوستان)کا خصوصی ذوق تھا۔ ان کے ذاتی کتب خانے میں علمی ذخائر کی بھرمار تھی، اور وہ فرمایا کرتے تھے:مطالعہ صرف معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ یہ روح کی غذا ہے۔”ان کے مطالعے کے نتیجے میں ان کی فقہی استدلال کی قوت اور تحقیقی اندازِ فکر نکھرتا چلا گیا۔

⚖ فقہ اور اصول کی طرف رجحان

حضرت مفتی صاحب کا اصل میدان **فقہ** اور **اصولِ فقہ** رہا ہے۔ وہ ابتدا سے ہی فتاویٰ کے انداز، اختلافی اقوال، اور ان کے دلائل کی باریکیوں میں گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی طلبِ علم کا یہ عالم تھا کہ جب وہ کسی مسئلے پر مطالعہ کرتے، تو محض ایک یا دو مراجع پر اکتفا نہ کرتے بلکہ:

- فقہاء کے اقوال کا تقابلی جائزہ لیتے
- اصولی قواعد کے مطابق نتیجہ اخذ کرتے
- ہر مسئلے کو **زمان و مکان کے تقاضوں** کے ساتھ ہم آہنگ کرتے

اس پہلو سے ان کا انداز علمی، تحقیقی، اور مجتہدانہ ذوق کا مظہر تھا۔

حدیثِ نبوی ﷺ سے تعلق

اگرچہ حضرت مفتی صاحب فقہ کے مایہ ناز عالم تھے، لیکن ان کا **مطالعہ حدیث** اور **فہم حدیث** میں بھی گہرا تعلق رہا ہے۔ قسط 3 میں اس پہلو کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا، لیکن یہاں بھی یہ ذکر ضروری ہے کہ:

انہوں نے اپنی تمام علمی بنیادوں کو **کتاب و سنت** سے مربوط رکھا، اور ہمیشہ "قال اللہ و قال الرسول ﷺ" کی روشنی میں بات کی۔

فقہِ حنفی میں مہارت، فتاویٰ نویسی، اور فقہی بصیرت

قبلہ مفتی صاحب کی علمی زندگی کا مرکزی ستون **فقہِ اسلامی** تھا — خصوصاً **فقہِ حنفی** میں ان کا مقام نہایت بلند تھا۔ وہ نہ صرف دارالعلوموں میں درس و تدریس کے ماہر تھے بلکہ علمی سوالات کے جوابات میں ان کی **تحقیقی گہرائی**، **استدلالی قوت** اور **فقہی استنباط** کا انداز نہایت نمایاں ہوتا تھا۔

⚖️ فقہِ حنفی: بنیاد، تسلط، اور فہم

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے فقہِ حنفی کا مطالعہ محض درسی ضرورت کے طور پر نہیں کیا، بلکہ انہوں نے **امام اعظم ابوحنیفہ** ؒ، **امام ابو یوسف، اور امام محمد** کی فقہی فکر کو **عصری تناظر میں سمجھنے** اور **عصر حاضر کے مسائل پر منطبق کرنے** کا ہنر حاصل کیا۔

متون و شروح جیسے:

- نور الایضاح
- کنز الدقائق
- ہدایہ
- شرح وقایہ
- فتح القدیر
- بدائع الصنائع
- رد المحتار

کو نہ صرف حفظ کے درجے تک یاد کر لیا تھا، بلکہ ان کی **فقہی ترتیب، اصولی بنیاد، اور عملی تطبیق** بھی بخوبی سمجھ رکھی تھی۔

وہ فرمایا کرتے:

“فقہ حنفی صرف اقوال کا مجموعہ نہیں، بلکہ قرآن و سنت کی حکمتوں کو زمانۂ حال کے قالب میں ڈھالنے کا منہج ہے۔”

✍️ فتاویٰ نویسی: ابتدا اور ارتقاء

حضرت مفتی صاحب کو **فتاویٰ نویسی** کی اجازت ان کے شیوخ نے اس وقت دی، جب وہ ابھی طالبعلمی کے آخری مرحلے میں تھے۔ ان کا پہلا فتویٰ فقہِ عبادات کے ایک نزاعی

مسئلے پر تھا، جس پر ان کے استاد نے تبصرہ کیا:
“یہ جواب محض کتابی علم پر نہیں، بلکہ فقہی فراست پر مبنی ہے۔”

فتاویٰ نویسی کے دوران:

وہ ہر سوال کو علمائے سلف کے انداز میں سمجھتے

اس کے متعلقہ ابواب کھول کر دلائل جمع کرتے

مختلف آرا کا تقابل کرتے

اور بالآخر مضبوط، مدلل، اور قابلِ عمل فتویٰ جاری کرتے

ان کا انداز شیخ احمد رضا خان فاضل بریلویؒ کی فقہی اسلوب سے متاثر تھا — خصوصاً فتاویٰ رضویہ میں بیان کردہ محققانہ ترتیب ان کی فتووں میں نمایاں دکھائی دیتی

فقہی بصیرت: اجتہادی روش

اگرچہ حضرت مفتی صاحب مقلد تھے اور فقہِ حنفی پر سختی سے قائم رہتے تھے، لیکن ان کا انداز **محض تقلید جامد** پر مبنی نہیں تھا۔ وہ فرمایا کرتے:
"مقلد کا کام تقلید ہے، لیکن بصیرت کے ساتھ — تاکہ ہر مسئلہ زمانہ، عرف، اور ضرورت سے ہم آہنگ ہو۔”

مثال کے طور پر:

نئے مالیاتی نظام (بینکاری، انشورنس میڈیکل فتاویٰ (انجیکشن، اعضاء کا عطیہ، نوبتِ روزہ وغیرہ) جدید خاندانی مسائل (وراثت، خلع، کفالت)پر ان کے فتاویٰ عصری تقاضوں کے ساتھ مکمل ہم آہنگ ہوتے، اور ان میں کتاب و سنت کے دلائل، فقہی قواعد، اوراصولی موازنہ نمایاں ہوتا۔

فتاویٰ کی خصوصیات

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کی درج ذیل خوبیاں ہمیشہ اہلِ علم کے نزدیک قابلِ تحسین رہیں:

وضاحت: ہر مسئلہ آسان زبان میں بیان کیا جاتا**دلائل کی گہرائی**: حوالہ جات کے ساتھ مکمل شرحاخلاقی انداز: سائل کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاتا**سنت کی پیروی**: ہر فتویٰ سنت اور فقہ کی روشنی میںان کی فتاویٰ نویسی کا ایک قاعدہ یہ تھا:اگر فتویٰ لکھنا ہے، تو صرف قلم نہیں، دل، عقل اور خشیتِ الٰہی کو بھی استعمال کرو۔”

علمِ حدیث، اصول الحدیث، اور محدثانہ

ذوق

قبلہ مفتی صاحب نہ صرف ایک ماہر فقیہ تھے بلکہ **علمِ حدیث** میں بھی آپ کو غیر معمولی بصیرت، فہم، اور وقار حاصل تھا۔ ان کی حدیث سے وابستگی کسی رسمی یا درسی حد تک محدود نہ تھی بلکہ یہ ایک **عقیدت بھرا تحقیقی شغف** تھا۔ وہ حدیث کو دین کی بنیاد سمجھتے اور اس کی فہم کو ہر دینی کام کی روح قرار دیتے۔

حدیث سے قلبی تعلق

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:
“قرآن شریعت کی بنیاد ہے، اور حدیث اس کی تفصیل، تشریح اور زندہ مثال۔”
ان کا انداز مطالعہ حدیث میں بھی منفرد تھا: وہ حدیث صرف سند اور متن تک محدود نہ رکھتے بلکہ اس کے **اسبابِ ورود، پس منظر، فقہی نکات، اور اخلاقی اشاروں** تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔ ان کے دروسِ حدیث میں طلبہ کو:

- روایت و درایت
- فقہی استنباط
- محدثین کی آراء
- معاصر تطبیق
- سب کچھ ترتیب وار سمجھایا جاتا تھا۔

کتبِ حدیث کا مطالعہ

حضرت مفتی صاحب نے کتبِ حدیث کا مطالعہ مکمل شرح و بسط کے ساتھ کیا۔ ان کی مطالعہ کردہ کتابوں میں شامل تھیں:

- **صحیح البخاری**
- **صحیح مسلم**
- **جامع ترمذی**
- **سنن ابی داؤد**
- **سنن نسائی**
- **سنن ابن ماجہ**
- **مشکوٰۃ المصابیح**
- **الشفا للقاضی عیاض**

وہ ہر حدیث کے الفاظ پر غور کرتے، لغوی نکات پر

توجہ دیتے، اور فقہی فروعات کے ساتھ تطبیق پیش کرتے۔

اصولِ حدیث میں دسترس

حضرت مفتی صاحب کو **اصول الحدیث** میں بھی مکمل مہارت حاصل تھی۔ وہ علمِ حدیث کو محض نقلِ روایت نہیں سمجھتے تھے بلکہ ہر روایت کی:

- **سند کی صحت**
- **رجال کی ثقاہت**
- **علتِ خفیہ**
- **شاذ و منکر**
- **مُرسل و موصول**

کا تفصیلی تجزیہ کرتے۔ طلبہ کو یہ تعلیم دیتے کہ:

“حدیث کا فہم صرف جمعِ طرق سے نہیں آتا، بلکہ اصول و توازن سے حاصل ہوتا ہے۔”

تدریسِ حدیث کا انداز

حضرت مفتی صاحب نے کئی سال **صحیح البخاری**، **ترمذی** اور **مشکوٰۃ** کا درس دیا۔ ان کے حلقہ درس میں طلبہ صرف سند نہیں پڑھتے تھے، بلکہ:

- روایت کا **مقصد**
- اس کے **تربیتی پہلو**
- **فقہی استنباط**
- **سلف کا فہم**

سب کچھ سیکھتے تھے۔

طلبہ کا بیان ہے کہ حضرت مفتی صاحب کی تدریس میں ایسا **روحانی نور** محسوس ہوتا جو انہیں صرف علم نہیں دیتا، بلکہ حدیث سے **عقیدت، ربط، اور ذمہ داری** بھی سکھاتا۔

محدثانہ طرزِ فکر

حضرت مفتی صاحب کا طرزِ فکر **فقہی و محدثانہ امتزاج** کا مظہر تھا۔ وہ فتاویٰ اور دروس میں حدیث کو **بنیادی دلیل** بناتے اور اس کی شرح اس طرح کرتے کہ:

نہ صرف **عقلی دلائل** فراہم ہوتے
بلکہ **عشقِ رسول ﷺ** کا پہلو بھی غالب آ جاتا
ان کا ایک مشہور قول ہے:

“حدیث پڑھو تو صرف سند نہ دیکھو، صاحبِ حدیث کی سیرت کو دل پر طاری کرو۔”

اصولی بصیرت، منطق و فلسفہ، اور علمِ کلام میں عبور

قبلہ مفتی صاحب صرف فقہ و حدیث ہی کے ماہر نہ تھے، بلکہ ان کی علمی عظمت کی بنیاد **اصولی بصیرت، فکری توازن، اور کلامی حکمت** پر بھی قائم تھی۔ ان کا طرزِ فکر فقط نقلی علوم پر منحصر نہ تھا، بلکہ عقلی علوم میں بھی گہری دسترس رکھتے تھے۔ یہی امتزاج ان کی شخصیت کو **فکرِ رضا** کا ترجمان اور عصرِ حاضر کا مؤثر مبلغ بناتا تھا۔

اصول الفقہ: تحقیق، تطبیق، اور اجتہادی شعور

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ کا اصولِ فقہ پر عبور نہایت گہرا اور دقیق تھا۔ وہ اصولوں کو محض قواعد کی صورت میں نہیں پڑھتے تھے، بلکہ:

ان کا **اطلاقی پہلو**ان کی **تاریخی حیثیت**ان کے **مختلف مکاتبِ فکر میں فرق**اور **جدید تناظر میں افادیت**کو خوب سمجھتے اور سمجھاتے۔مطالعہ کی جانے والی اہم کتب میں شامل تھیں:

نور الانوار
التوضیح و التلویح
اصول الشاشی
الفصول فی الاصول
شرح مسلم الثبوت
التحریر فی اصول الفقہ

وہ فرمایا کرتے:

“اصول وہ بنیاد ہے جس پر فقہ کا قصرِ عظیم قائم ہے، اور اگر بنیاد ہی کمزور ہو تو فتویٰ محض دعویٰ بن جاتا ہے۔”

□ منطق و فلسفہ: عقلی صلاحیت کا استحکام

حضرت مفتی صاحب نے **منطق اور فلسفہ** میں مہارت کو ہمیشہ دین کی خدمت کا ذریعہ سمجھا، نہ کہ اس کی نفی۔ وہ ان علوم کو ایسے **عقلی اوزار** قرار دیتے جو **باطل نظریات** کا ردّ کرنے میں مددگار ہوتے۔

مطالعہ کردہ کتب میں شامل تھیں:

- **السلّم المنورق**
- **شرح تہذیب**
- **قطبی**
- **میبذی**
- **شمس بازغہ**
- **شرح اشارات ابن سینا**
- **حاشیہ جامی**

ان کے بقول:

“منطق و فلسفہ جب وحی کے تابع ہو جائیں تو یہ ابلیسی حربے نہیں، بلکہ ابراہیمی دلیل بن جاتے ہیں۔”

علمِ کلام: عقائد کی حفاظت، عقل و نقلَ کی ہم آہنگی

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے علمِ کلام میں امام ابوالحسن اشعری اور امام ماتریدی کـ مکتبِ کی پیروی کی۔ ان کا انداز اثباتی بھی تھا اور دفاعی بھی۔

مطالعہ کردہ نمایاں کتب:

شرح عقائد نسفی	**المواقف**	**شرح مقاصد**	الملل والنحل	الاقتصاد فی الاعتقاد

ان کے دروس میں کلامی مسائل کو نہایت نفسیاتی، عقلی، اور روایتی انداز میں بیان کیا جاتا تھا۔ خاص طور پر:

وجودِ خدا	صفاتِ باری	علمِ غیب	ختمِ نبوت.رسالت و معجزات

پر ان کے خطابات میں نہایت فکری پختگی محسوس

کی جاتی ہے

فکرِ رضا کے تناظر میں عقلی علوم

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ کا علمی رجحان مکمل طور پر **مسلکِ اعلیٰ حضرت** کے تابع تھا۔ لیکن انہوں نے عقل اور نقل کے درمیان وہی توازن اختیار کیا جو امام احمد رضا خان فاضل بریلویؒ نے پیش کیا۔

وہ کہا کرتے:

“اعلیٰ حضرت نے عشقِ رسول ﷺ کے آئینے میں عقل کو چمکایا — میں اسی روش پر چلنے کا طالب ہوں۔”

اسی لیے ان کا فلسفہ، منطق اور کلام صرف **علمی مشق** نہیں بلکہ **دینی خدمت** بن کر سامنے آیا۔

اداروں میں عقلی علوم کی تدریس

حضرت مفتی صاحب نے مختلف دارالعلوموں میں **علمِ کلام، اصولِ فقہ، اور منطق** کی باقاعدہ تدریس کی۔ ان کے شاگرد آج بھی ان کے اندازِ تدریس کی تعریف کرتے ہیں:

تدریس میں نقلی بنیاد پر زور	مباحثہ کی سنجیدہ فضا	طالبعلم کی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے تفہیم	اور **جدید اعتراضات** کا بھرپور علمی جواب

علمی مقام، استاذی اثر، اور علمی ورثہ

قبلہ مفتی صاحب کا علمی مقام کسی خاص علاقے یا ادارے تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ ایک **بین المدارس، بین المسالک، اور بین الاقوامی** سطح پر تسلیم شدہ عالمِ دین، فقیہ، اور محقق کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا اندازِ تدریس، علمی رسوخ، اور نظریاتی استحکام انہیں معاصر علما کے درمیان ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

علمی اداروں میں خدمات

حضرت مفتی صاحب نے کئی معروف **دینی اداروں** میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ان میں کچھ نمایاں ادارے یہ تھے:

جامعہ جیلانی (درگاہ سخی عبدالواہاب شاہ)	مدرسہ نور الاسلام (ٹنڈو جام)،

جیلانی)	
دارالعلوم جامع قادریہ جیلانیہ (دس سال)	**مرکزِدارالعلوم احسن البرکات (چھتیس سال)،**

ہر ادارے میں ان کا تقرر نہ صرف بطور مدرس ہوا بلکہ عموماً وہ **صدر المدرّسین**، **نا ظم اعلیٰ**، نائب مفتی، مفتی، **صدرِ شعبۂ افتا** کے مناصب پر بھی فائز رہے۔

۲۔ تدریس: اخلاص، تحقیق، اور تربیت کا امتزاج

ان کے اندازِ تدریس میں تین چیزیں نمایاں تھیں:

علمی گہرائی: ہر درس میں وہ محض ظاہری تشریح پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ تاریخی پس منظر، کتبِ شروحات کا تقابل، فقہی تطبیق عقلی تحلیل کا خاص اہتمام کرتے۔

روحانی تربیت: وہ صرف علم نہیں دیتے تھے، بلکہ

حسنِ اخلاق	عشقِ رسول ﷺ	اخلاص و تواضع

کو بھی تعلیم کا جزوِ لازم سمجھتے تھے۔

طلبہ سے قلبی ربط: وہ طلبہ کو صرف شاگرد نہیں، **روحانی بیٹے** سمجھتے تھے۔ ہر طالب علم کے مزاج، ذہنی سطح، اور رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے اندازِ تدریس اپناتے۔

۳ تلامذہ و شاگرد

حضرت مفتی صاحب کے شاگرد صرف چند سالہ طلبہ نہیں، بلکہ کئی ایسے علماء اور مفتیان کرام بھی ان کے فیض یافتہ ہیں جو آج:

دارالافتا کی قیادت کر رہے ہیں	مدارس کے صدر المدرسین ہیں	جامعات میں پروفیسر ہیں
بین الاقوامی سطح پر دعوت و تبلیغ میں مصروف ہیں		

ان کے ہزاروں شاگرد ملک کے طول و عرض میں علم، تدریس، اور فتویٰ کے ذریعہ ان کا فیض پھیلا رہے ہیں۔

✍ تحریری خدمات و تصانیف

حضرت مفتی صاحب کی تحریری صلاحیت نہایت عمدہ تھی۔ ان کی تصانیف اور تحریرات میں:

دینی رسائل میں شائع شدہ مقالات	رسالہ نما فتاویٰ جات	عقائد و فقہ پر علمی بیانات
مسلکِ اعلیٰ حضرت کے دفاع میں علمی مقالات	کتبِ درسیہ کے حواشی اور اشارات	

شامل ہیں۔ اگرچہ اُن کا بیشتر کام غیر مطبوعہ یا تدریسی نوعیت کا تھا، مگر علمی حلقوں میں اس کا بڑا اثر تھا۔

علمی مقام پر علماء کی آراء

بہت سے ممتاز علماء اور مشائخ نے حضرت مفتی صاحب کے علمی مقام کو تسلیم کرتے ہوئے تعریفی کلمات ادا کیے، جیسے:

“

عصرِ حاضر میں فقہِ حنفی اور فکرِ رضا کے حسین امتزاج کا مظہر”
“جہاں تدریس کا جمال ہو، وہاں مفتی صاحب جیسی شخصیات روشنی کا سبب ہیں”
“ان کے دروس سن کر علم کا شوق، دین کی سمجھ، اور ادبِ علم پیدا ہوتا تھا”

بین الاقوامی سطح پر نمائندگی

حضرت مفتی صاحب کو بعض اوقات بین الاقوامی علمی فورمز پر بھی مدعو کیا گیا، خاص طور پر:

علمی سیمینارز

فتویٰ کانفرنسز	**مسلکِ اہلِ سنت کے دفاع میں مناظرے و مباحثے**	**ان مواقع پر ان کا علمی وقار، متانت، اور استدلال متاثر کن ہوتا۔**

اجتہادی بصیرت، اسلوبِ فتویٰ، اور عصرِ حاضر میں فکرِ رضا کی تطبیق

قبلہ مفتی صاحب کی علمی زندگی کا ایک عظیم پہلو ان کی **اجتہادی صلاحیت، فتویٰ نویسی میں مہارت، اور دینی تحریکوں میں فعال کردار** ہے۔ ان کی شخصیت صرف درس و تدریس یا تحریر و تحقیق تک محدود نہیں تھی، بلکہ وہ ایک **متحرک مجتہدانہ فکر** کے حامل عالم تھے جو **دین کے عملی مسائل** میں راہ نمائی کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔

⚖️

اجتہادی بصیرت: تحقیق سے تطبیق تک

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ کو **اجتہادی بصیرت** فطری طور پر بھی حاصل تھی اور علمی جدوجہد سے بھی۔ ان کے فتاویٰ میں درج ذیل اجزاء واضح نظر آتے:

دلیل کی گہرائی: **فقہی مصادر (قرآن، حدیث، اجماع، قیاس) کا بھرپور استعمال**	مسلکِ امامِ اعظم کی پابندی: **مگر اس میں بھی** متعدد اقوال کا موازنہ	زمانہ شناسی: **جدید حالات کو سمجھنا اور احکام کی تطبیق کرنا**	**عرف و عادت، سماجی نفسیات، اور سائل کے حالات کو مدنظر رکھنا**

ان کے فتاویٰ صرف روایتی جوابات نہ ہوتے، بلکہ علمی تسلسل، تمہید، اور حوالہ جات سے مزین ہوتے۔

وہ فرمایا کرتے:

”فتویٰ محض نقلِ اقوال نہیں، بلکہ فہمِ دین اور فہمِ زمانہ کا حسین امتزاج ہے۔“

اسلوبِ فتویٰ نویسی: توازن، تحمل اور حکمت

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں ایک خاص **اسلوب** تھا:

ابتدائیہ میں سائل کی نیت کا حسنِ ظن سے ذکرمسئلہ کی تعریف اور اصطلاحی وضاحت

دلائل کا مدلل، منقح، اور ترتیب وار بیان ائمۂ کرام کے اقوال کا ذکر بطور تائید
عصرِ حاضر کی ضروریات کا لحاظ
اختتامی فقرے میں دعائیہ کلمات

مثال کے طور پر، "مسئلہ بیمہ"، "ٹی وی پر بیان دینا"، یا "بینک کی نوکری" جیسے پیچیدہ مسائل پر انہوں نے ایسی جامع تحریریں دیں جو بعد میں **دارالافتاء کی نصابی مثالیں** بن گئیں۔

عصرِ حاضر میں فکرِ رضا کی تطبیق

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی فکر کو جامد تقلید یا فقط ماضی پرستی کے طور پر نہیں لیا۔ ان کے نزدیک "مسلکِ رضا" ایک **زندہ، متحرک، اور ہمہ گیر نظریۂ حیات** تھا۔

انہوں نے فکرِ رضا کو مندرجہ ذیل میدانوں میں عملی صورت دی:

عقائد کی حفاظت	فتنوں کا مدلل ردّ	جدید سائلین کے فقہی اشکالات کا حل	تعلیم و تربیت کا روحانی نظام	مسلکی ہم آہنگی اور فکری اعتدال

وہ فرمایا کرتے:

“اعلیٰ حضرت نے جو سوچ دی، وہ صرف مسئلہ حل کرنے کا طریقہ نہیں، بلکہ زمانے سے دین کو محفوظ رکھنے کا نبوی طریقہ ہے۔”

دینی تحریکات و سماجی کردار

حضرت مفتی صاحب صرف مدرس اور مفتی نہ تھے بلکہ ایک **مصلح، خطیب، اور تحریکی رہنما** بھی تھے۔

ان کی دینی و سماجی خدمات میں شامل ہیں:

مختلف اہلسنت جماعتوں کے اجلاس میں علمی شرکت
علمائے کرام کی تربیت کے لیے ورکشاپس
طلبہ و عوام کے لیے عقیدہ و فقہ پر خصوصی دروس
فتنۂ قادیانیت، دیوبندیت، اور لا دینیت پر تحقیقی

ردّ

رواداری و اتحادِ اہلسنت کا عملی درس

باب چہارم

عوامی مسائل کے شرعی حل – فتاویٰ اور اجتہادی خدمات

فقہ و فتویٰ کا پس منظر اور حضرت مفتی صاحب کا طرزِ استنباط فقہ و فتویٰ – علم سے عمل کی طرف ایک سفر

اسلام کی علمی میراث میں اگر کوئی چیز زمانوں کو جوڑتی، تمدنوں کو ترتیب دیتی، اور معاشروں کو ضابطہ عطا کرتی ہے، تو وہ فقہ ہے۔ اور جب فقہ علمی اور عملی پختگی کو چھو لیتی ہے تو اُس سے فتویٰ جنم لیتا ہے — یعنی ایسا علمی فیصلہ جو کسی بھی شخص، جماعت یا قوم کی شرعی رہنمائی کا ذریعہ بنے۔

قبلہ مفتی صاحب کا شمار انہی اجل علماء میں ہوتا ہے جنہوں نے فتویٰ کو صرف تحریری جواب کے بجائے ایک عبادت، ذمہ داری، اور شعوری اجتہاد کے درجے پر فائز دیکھا۔ ان کے نزدیک فتویٰ لکھنا نہ صرف علمِ دین کی نمائندگی تھی بلکہ عوام کے مسائل میں نبی کریم ﷺ کی وراثت کے مطابق حل پیش کرنا بھی تھا۔

اہلِ سنت کے فقہی ورثے کی روشنی میں

فتویٰ نویسی کوئی معمولی کام نہیں — یہ اس منصب کی توسیع ہے جو قرآن مجید میں "فَسْئَلُوْٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" کے ذریعے اہلِ علم کو دیا گیا۔ تاریخ میں اس ذمہ داری کو امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے جلیل القدر ائمہ نے اٹھایا۔

مسلکِ اعلیٰ حضرت کے فقہی ورثے میں فتویٰ نویسی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ امام احمد رضا خان رحمہ اللہ علیہ نے "فتاویٰ رضویہ" جیسے بے نظیر فقہی خزانے کو امت کے سامنے پیش کیا — یہی روشنی حضرت مفتی عظمت علی نوری قادری نے اپنے انداز میں اپنائی۔

مفتی صاحب کا فہمِ شریعت

حضرت مفتی صاحب کا فہمِ شریعت محض کتبِ فقہ کے حوالوں کا تذکرہ نہیں تھا — وہ فتویٰ کو ایک زندہ عمل مانتے تھے۔ یعنی ہر مسئلہ محض کسی سطر یا صفحہ سے نہیں نکلتا، بلکہ اس میں:

زمانہ شناسی	عرفِ عام کی پہچان	عوام کی سطحِ فہم	اور سب سے بڑھ کر، دل کی نرمی شامل ہوتی ہے۔

وہ فرمایا کرتے:

“فتویٰ علم کا عکس نہیں، شعور کا اجالا ہوتا ہے۔”

✒ طرزِ استنباط (Deductive Methodology)

مفتی صاحب کے فتاویٰ میں جو چیز سب سے نمایاں ہوتی، وہ اندازِ استنباط یعنی دلیل نکالنے کا خاص طریقہ تھا۔ وہ سب سے پہلے مسئلہ کی جڑ کو پہچانتے:

کیا یہ مسئلہ منصوص ہے؟ (یعنی قرآن یا حدیث میں موجود ہے؟)

اگر نہیں، تو کیا اس پر اجماع ہے؟

اگر اجماع بھی نہیں، تو کیا قیاس کی گنجائش ہے؟

کیا عرف اور ضرورتِ وقت اس پر اثر انداز ہو سکتی ہے؟

یہ تمام مراحل وہ نہایت سکون اور غور و فکر کے ساتھ طے کرتے — اور پھر جو جواب تحریر فرماتے، اُس میں “دلائل کی چاشنی، ادب کی مٹھاس، اور حکمت کی روشنی” ہوتی۔

ایک مفتی کا مقام — عوامی اعتماد کا مرکز

حضرت مفتی عظمت علی نوری قادری صرف دارالافتاء میں بیٹھ کر مسائل کے جواب دینے والے مفتی نہ تھے — وہ عوام کے درمیان رہتے، ان کے دکھ درد سنتے، اور ان کی زبان میں بات کرتے۔ ان کا ایک فتویٰ نہ صرف شرعی رہنمائی ہوتا، بلکہ دل کا سکون بھی ہوتا۔

ایک مرتبہ ایک بزرگ نے کہا:

“یہ جو قلم اٹھاتے ہیں، تو صرف مسئلہ نہیں لکھتے —

زندگی کا رخ سیدھا کر دیتے ہیں۔”

احتیاط، نرمی، اور وسعت

ان کے فتاویٰ میں سب سے نمایاں چیز تھی شدت سے اجتناب۔ وہ کبھی سخت، تکفیرانہ یا جارحانہ زبان استعمال نہیں کرتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے:

“فتویٰ وہ ہوتا ہے جو کسی کے ایمان کو مضبوط کرے، دل کو سکون دے، اور امت میں خیر پیدا کرے — نہ کہ فساد، نفرت یا بدگمانی۔”

یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے نکلا ہر فتویٰ ایک روحانی مشعل بن کر دلوں کو منور کرتا۔

ایک نمونہ فہمِ مسئلہ:

سوال: آج کے دور میں عورت کا ملازمت کرنا کیسا ہے؟
جواب کا خلاصہ (مفتی صاحب کے انداز میں):اگر عورت پردے کے ساتھ، شرعی حدود میں، اور معاشرتی فتنے سے بچ کر ملازمت کرے، اور اُس کی نیت کفالت یا معاونت ہو — تو وہ نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں باعثِ ثواب بھی ہو سکتی ہے۔ تاہم، ماحول کی فتنہ انگیزی، مرد و زن کا اختلاط، اور شریعت کی خلاف ورزی اسے ناجائز بنا سکتی ہے۔

یہی وہ اعتدال پسندی ہے جو ان کی فتووں کو زندگی کے قریب کرتی ہے۔

فقہِ حیات – روزمرہ کی شرعی رہنمائی

فقہ اگر انسانی زندگی کا ضابطہ ہے، تو فتویٰ اس ضابطے کی عملی تفسیر ہے — خصوصاً جب عام مسلمان روزمرہ کی زندگی میں ایسے سوالات سے دوچار ہو جن کا تعلق طہارت، عبادات، یا عورتوں سے مخصوص مسائل سے ہو۔ قبلہ مفتی صاحب نے عوامی سطح پر ایسے مسائل کو انتہائی شفقت، دینی بصیرت، اور سلیقہ مندی سے حل کیا، جس سے نہ صرف لوگوں کے مسائل حل ہوئے، بلکہ ان کا تعلق شریعت سے گہرا اور پائیدار ہوتا چلا گیا۔

طہارت: پاکیزگی کا فہم اور اس کی باریکیاں

حضرت مفتی صاحب کے پاس سب سے زیادہ پوچھے

جانے والے سوالات میں سے ایک طہارت سے متعلق ہوتے تھے۔ چاہے وہ وضو کے ٹوٹنے کی کیفیت ہو، نجاستِ غلیظہ و خفیفہ کی مقدار ہو، یا کپڑوں کی پاکی کے بارے میں وسوسے — ہر مسئلے کو مفتی صاحب نہایت سنجیدگی سے لیتے اور قرآن و سنت، فقہِ حنفی کے اصولوں، اور اعلیٰ حضرت رحمہ اللہِ علیہ کے فتاویٰ کی روشنی میں جواب دیتے۔ **مثلاً**:

سوال: اگر کسی کے جسم پر خون لگا ہو اور وہ خشک ہو جائے، تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا؟

جواب :مفتی صاحب کے انداز میں):خون اگر بہنے کے قابل ہو (یعنی رکا نہ جائے تو بہنے لگے)، تو ناپاک ہے۔ خشک ہونے کے بعد اگر اس کی اصل باقی ہو، تو وہ ناپاک رہے گا، وضو ٹوٹنے کا تعلق اس کے بہنے سے ہے۔ صرف خشک خون کا جسم پر موجود ہونا وضو کو باطل نہیں کرتا، البتہ اسے دھونا لازم ہے۔ ایسا فتویٰ عوام کو نہ صرف شرعی علم دیتا بلکہ ذہنی الجھنوں سے بھی نجات بخشتا۔

عبادات: نماز، روزہ، اور عباداتِ قلبی کا فہم

عبادات سے متعلق فتاویٰ میں حضرت مفتی صاحب نے ہمیشہ اعتدال کا دامن تھامے رکھا۔ ان کے پاس ایسے سوالات بھی آئے جو محض علم کی کمی سے نہیں بلکہ معاشرتی پیچیدگیوں یا سادہ لوحی کی بنیاد پر پیدا ہوتے تھے۔

سوال: اگر کسی نے غلطی سے روزے کی حالت میں خوشبو سونگھ لی تو کیا روزہ ٹوٹ جائے گا؟

جواب: خوشبو سونگھنا اگر ناک کے ذریعے ہوا کی عام تاثیر کے تحت ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر خوشبو کی اشیاء مثلاً عطر کو ناک میں ڈالا جائے یا بہت قریب سے سونگھا جائے تو اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ اس پر احتیاط لازم ہے۔

اسی طرح، معذور نمازی، مریض، سفر میں عبادات، نیت کی باریکیاں — ان سب پر حضرت مفتی صاحب کی نگاہ شرعی تقاضوں کے ساتھ ساتھ عملی آسانی پر بھی رہتی۔

۔ خواتین کے مخصوص مسائل: پردہ، نماز، حیض و نفاس خواتین سے متعلق مسائل میں مفتی صاحب کا اسلوب علم و حیاء کا حسین امتزاج تھا۔ وہ ایسے نازک موضوعات پر بھی اس انداز میں روشنی ڈالتے کہ نہ تو سائلہ کو شرمندگی

محسوس ہوتی، نہ ہی مسئلہ تشنہ رہتا۔

سوال: اگر کسی خاتون کو حیض سے فارغ ہوئے 7 دن گزر چکے ہوں اور پھر خون آئے، تو کیا نماز ترک کر دے؟

جواب: اگر حیض کا عمومی دورانیہ مکمل ہو چکا ہو اور پھر وقفہ آنے کے بعد نیا خون آئے، تو پہلے اس کی نوعیت جانی جائے گی۔ اگر دس دن مکمل ہو چکے ہوں تو زائد ایام استحاضہ کہلائیں گے اور نماز قضا نہ ہو گی۔

ایسے سوالات پر حضرت مفتی صاحب نے صرف شرعی حد بندی بیان کرتے بلکہ خواتین کی تسلی و رہنمائی کو بھی اولین ترجیح دیتے۔

سادہ زبان، گہرا مفہوم ایک عام شخص فتویٰ چاہتا ہے، فلسفہ نہیں۔ مفتی صاحب کو اس بات کا کامل شعور تھا۔ ان کی زبان میں نہ فقہی اصطلاحات کا بوجھ ہوتا، نہ خالی جذبات کی روانی — بلکہ ایک ایسی اعتدال بھری زبان ہوتی جو دل کو سمجھ آئے، اور دماغ کو مطمئن کرے۔

عقائد اور مذہبی تفریق سے متعلق فتاویٰ

عقائد کا تحفظ — ملتِ اسلامیہ کی اساس

عقیدہ دین کی بنیاد ہے، اور جب بنیاد متزلزل ہو جائے تو پوری عمارت لرز جاتی ہے۔ قبلہ مفتی صاحب نے ہمیشہ اس بات کو اپنا اصولِ فتویٰ بنایا کہ جب مسئلہ عقائد سے متعلق ہو، تو سخت احتیاط، گہرائی میں تحقیق، اور دلائل کا بھرپور استعمال کیا جائے۔

ان کے نزدیک عقائد کی اصلاح صرف مناظرانہ انداز سے نہیں، بلکہ فکری وضاحت، حسنِ بیان اور دلائلِ شرعیہ کی روشنی سے ہونی چاہیے۔

فرقہ واریت کا علمی جواب — بغیر اشتعال کے

برصغیر کے علماء کو ہمیشہ ایسے ماحول کا سامنا رہا جس میں مذہبی تقسیم، گروہی تعصب، اور فرقہ وارانہ منافرت نے عوام کو گمراہی کے دہانے پر کھڑا کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے ایسے نازک مواقع پر انتہائی حکمت، فکری بلندی، اور اخلاقی جلالت کے ساتھ کام لیا۔

سوال:
کیا غیر مقلدین کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟

مفتی صاحب کا اسلوب:

"نماز کا تعلق صرف حرکات و سکنات سے نہیں، بلکہ عقیدے، امام کی اہلیت، اور امت کی جماعت سے جُڑنے سے ہے۔ اگر امام خود اصولِ اہلِ سنت سے منحرف ہو تو اس کی اقتداء اہلِ سنت کے لیے باعثِ نقصان ہے، نہ کہ ذریعۂ نجات"
یہ بیان نہ صرف واضح ہے بلکہ بدون اشتعال، مگر علمی وقار کے ساتھ ہے۔

اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ سے فکری ہم آہنگی

حضرت مفتی صاحب کے اکثر عقائد سے متعلق فتاویٰ میں "فتاویٰ رضویہ" سے باقاعدہ استشہاد ہوتا تھا وہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کو صرف ایک فقیہ یا محدث نہیں، بلکہ فکری رہنما مانتے تھے۔
جہاں کہیں عقیدۂ ختمِ نبوت، حیاتِ انبیاء، علمِ غیب، یا شانِ مصطفیٰ ﷺ کی بات آتی، مفتی صاحب نہ صرف دلیل پیش کرتے، بلکہ اس میں محبت، تعظیم، اور امت کی فلاح کا جذبہ شامل ہوتا۔
بدعت اور نئی گمراہیوں پر واضح مؤقف عصرِ حاضر میں جدید فتنوں نے نئے رنگ میں خود کو پیش کیا

جیسے:وحدتِ ادیان کا نعرہ	**مذہبی ہم آہنگی کے نام پر عقائد کی سودا بازی**	**قرآن و سنت کی خود ساختہ تعبیر**	**تصوف کی شکل میں بے دینی کا نفوذ**

حضرت مفتی صاحب نے ایسے مسائل پر تحقیقی انداز میں فتوے تحریر کیے جن میں صرف رد نہیں تھا، بلکہ علمی تجزیہ، اصولی وضاحت، اور اصلاحی طرزِ کلام شامل تھا۔ہم وحدتِ انسانیت کے قائل ہیں، لیکن عقائد کے سودا گر نہیں۔"یہ ان کا جملہ کئی محفلوں میں دہرایا گیا۔

عام عقائد کے سوالات پر فتویٰ

کیا جو شخص میلادِ مصطفی ﷺ کا انکار کرے، وہ گمراہ

ہے؟

جواب :مفتی صاحب کے انداز میں):اگر انکار میلاد محض بدعت کی بنیاد پر ہو، اور اس میں شانِ رسالت کی تنقیص یا توہین کا پہلو شامل ہو، تو ایسا شخص گمراہی میں داخل ہے۔ لیکن محض فہم کی کمی ہو تو اس پر اصلاح لازم ہے، نہ کہ تکفیر۔یہی وہ عدل و توازن تھا جو ان کے فتاویٰ کو مقبول بناتا۔

جدید سائنسی و معاشرتی مسائل پر اجتہادی رویہ :

بدلتے زمانے، بدلتے سوالات جب دنیا بدلتی ہے، تو اس کے سوالات بھی بدلتے ہیں۔ نئی ٹیکنالوجی، سائنسی ترقی، طبی اختراعات، اور سماجی تبدیلیوں نے فقہ کو ایک نئے میدان میں لا کھڑا کیا ہے — جہاں نہ صرف کتاب و سنت کی روشنی درکار ہے، بلکہ عقلِ سلیم، اجتہادی شعور، اور دینی فہم کی گہری نظر بھی۔ قبلہ مفتی صاحب نے ان جدید مسائل کو دقیانوسیت یا اجتناب کے بجائے جرأت، تحقیق، اور حکمت سے لیا — ان کے فتاویٰ اس بات کا عملی ثبوت ہیں کہ اسلام صرف ماضی کا دین نہیں، بلکہ ہر دور کا مکمل ضابطہ حیات ہے۔ سائنسی و طبی مسائل – جدید فتویٰ کا میدان ہے ویکسینیشن اور اعضاء کی پیوندکاری سوال: کیا کرونا یا دیگر ویکسینز کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

جواب: اگر دوا میں کوئی حرام جزو شامل نہ ہو، یا اُس کی متبادل صورت نہ ہو، اور اس کا مقصد انسانی جان کی حفاظت ہو — تو اس کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ بسا اوقات واجب بھی ہو جاتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے وبائی امراض، بچوں کی حفاظتی ویکسین، اور زبردستی ویکسین کے مسائل پر علمی انداز میں استدلال کے ساتھ رہنمائی دی۔ ان کے کئی فتاویٰ "شرعی ضابطہ علاج" کے اصولوں پر مبنی تھے۔ اسی طرح، اعضاء کی پیوندکاری جیسے مشکل اور نزاعی موضوعات پر بھی انہوں نے تحفظِ نفس، ضرورت، اور فقہی قیاس کی بنیاد پر متوازن مؤقف اختیار کیا۔ **ڈیجیٹل دنیا –** نئی آزمائشیں، نئے اصول ٹیکنالوجی کی دنیا نے فتوے کے دروازے پر ایسے سوالات لا کھڑے کیے جو محض کتابوں میں نہیں ملتے: کیا موبائل پر نکاح جائز ہے؟ سوشل میڈیا پر دینی تبلیغ کا کیا مقام ہے؟

واٹس ایپ پر "آمین" نہ کہنے سے گناہ ہوتا ہے؟

فیس بُک پر توبہ اور اعلانِ گناہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

حضرت مفتی صاحب نے ان موضوعات پر دلائل اور حکمت کے امتزاج سے رہنمائی دی۔ ان کا انداز یہ تھا کہ:

“نئی ایجادیں شریعت کی دشمن نہیں — اگر شریعت کے اصول اُن پر نافذ ہوں تو وہ دین کی خدمت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔”

معاشرتی اور تعلیمی اداروں سے متعلق مسائل

مخلوط تعلیمی نظام، یونیورسٹی کلچر، بچوں کی تربیت، اور مغربی اثرات جیسے موضوعات پر حضرت مفتی صاحب نے نہ صرف فتوے دیے، بلکہ والدین، اساتذہ اور معاشرے کو اصلاحی پیغام بھی دیا۔

سوال: کیا لڑکوں اور لڑکیوں کا مخلوط نظام تعلیم شریعت کے خلاف ہے؟

جواب: اگرچہ مخلوط نظام تعلیمی معیار میں کامیاب ہو سکتا ہے، مگر شرعی اخلاقیات، حیاء اور فتنے کے دروازے اس سے کھلتے ہیں۔ لہٰذا، جہاں تک ممکن ہو، علیحدہ تعلیم کو ترجیح دی جائے۔

اجتہادی بصیرت – روایت اور وقت کا امتزاج

حضرت مفتی صاحب کے اجتہادی انداز میں نہ صرف روایت سے وفاداری تھی، بلکہ وقت کے تقاضوں کا فہم بھی شامل تھا۔ وہ پرانے مسائل کو نئے انداز میں بیان کرنے کے فن میں یکتا تھے۔ ان کے نزدیک:

“نیا مسئلہ دراصل پرانے اصول کا نیا اطلاق ہوتا ہے۔”

یہی فکر ان کے فتاویٰ کو زندہ، مؤثر، اور وقت کے مطابق بناتی تھی۔اب ہم بڑھ سکتے ہیں:

حضرت مفتی صاحب کا اسلوبِ فتویٰ —

فہم، اخلاص، اور اثر ✍ فتوے کی تحریر — صرف الفاظ نہیں، ایک عبادت جب قلم اٹھایا جاتا ہے، تو وہ صرف سیاہی نہیں بہاتا — وہ ذمہ داری کا بوجھ، امت کی رہنمائی، اور شریعت کی ترجمانی لے کر چلتا ہے۔ قبلہ مفتی صاحب کا اندازِ فتویٰ لکھنا صرف فنی مہارت کا نام نہ تھا، بلکہ وہ ہر فتویٰ کو نیت کی پاکیزگی، علم کی گہرائی، اور امت کی بھلائی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ ان کے نزدیک فتوے کی تحریر دل کا صدق، ذہن کی تحقیق، اور زبان کا ادب مانگتی ہے۔

اسلوبِ تحریر — نرمی، وضاحت اور زبان کا حسن
حضرت مفتی صاحب کی فتوے کی زبان ایسی ہوتی جو عام فہم ہو، مگر وقار کے ساتھ نہ عامیانہ پن، نہ سخت گیری — بلکہ: الفاظ نرم جملے مربوط بات مکمل اور انداز نہایت شائستہ مثال: "عرض ہے کہ سوال بظاہر سادہ ہے، مگر اس کی تہہ میں ایک اہم مسئلہ پوشیدہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سائل کی آسانی کے لیے مکمل وضاحت کر دی جائے۔" ایسے انداز سے نہ صرف سائل متاثر ہوتا، بلکہ سوال کے پس منظر کو بھی بہتر سمجھ پاتا۔ فہمِ سائل — ہر سوال کے پیچھے انسان کو دیکھنا حضرت مفتی صاحب کا ایک کمال یہ تھا کہ وہ سوال کے پیچھے موجود انسان کو سمجھتے تھے۔ اگر سوال سادہ ہوتا، تو وہ تفصیل سے جواب دیتے۔ اگر سائل عالم ہوتا، تو علمی انداز اختیار کرتے۔ اگر عورت ہوتی، تو حیاء کے دائرۂ میں رہ کر رہنمائی دیتے۔ "سوال کے ساتھ سائل کی نیت، اس کا ماحول، اور اس کی سمجھ بھی دیکھی جائے — تب جا کر فتویٰ مکمل ہوتا ہے۔"

اخلاص — فتویٰ برائے رضا، نہ برائے نمود حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کا بنیادی محرک اللہ کی رضا اور امت کی اصلاح ہوتا۔ وہ نہ کسی شخصیت کو خوش کرنے کے لیے فتویٰ لکھتے، نہ ہی کسی کے خوف سے قلم روکتے۔ ان کے نزدیک: "فتویٰ تب ہی مؤثر ہوتا ہے جب وہ خدا سے ڈر کر، رسول ﷺ سے محبت کر کے، اور امت پر شفقت سے لکھا جائے۔" ان کی یہی اخلاص بھری نیت ان کے فتاویٰ میں اثر، جاذبیت اور قبولیت کا راز تھی۔ کتابت کا معیار — حوالہ جات، ترتیب اور تحقیق ان کے فتاویٰ میں ہمیشہ درج ذیل باتوں کا خیال رکھا جات

ا: مکمل حوالہ (کتاب، جلد، صفحہ) ترتیبِ جواب: مسئلہ → دلیل → استدلال → خلاصہ آخری جملہ ہمیشہ اصلاحی اور نرم ہوتا فتاویٰ رضویہ، بحرالرائق، رد المحتار، فتاویٰ عالمگیریہ، اور دیگر کتب ان کے حوالہ جات کے بنیادی ذرائع تھے۔ جدید دور میں انہوں نے ان کتب کے اردو ترجمے بھی خوبصورتی سے استعمال کیے تاکہ سائل کی سمجھ میں بات آجائے۔

اثرپذیری — زبان سے دل تک فتویٰ تبھی مؤثر ہوتا ہے۔
جب وہ دل کو لگے۔ حضرت مفتی صاحب کی زبان میں علم کا
وقار، محبت کی چاشنی، اور اصلاح کی لطافت ہوتی ہے لوگ
صرف فتوے کے الفاظ نہیں پڑھتے، بلکہ روحانی سکون
محسوس کرتے۔ بہت سے سائلین نے بتایا کہ
: "ہم صرف مسئلے کے حل کے لیے نہیں، بلکہ روح کی
تسکین کے لیے مفتی صاحب کے فتاویٰ کو پڑھتے تھے۔

"اختتامی"

: فتاویٰ رضویہ سے نسبت اور اعلیٰ حضرت کی فکری جھلک۔

فکری نسبت — امام احمد رضا اور مفتی عظمت علی نوری ہر عالمِ دین کا ایک فکری قبلہ ہوتا ہے۔ قبلۂ مفتی صاحب کے لیے یہ قبلہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ علیہ تھے۔ اگرچہ دونوں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ تھا، لیکن فکر، فقہ، محبتِ رسول ﷺ، اور عقیدۂ اہلسنت میں وہ ایک ہی سلسلے کے دو درخشاں ستارے تھے۔

حضرت مفتی صاحب فرمایا کرتے:

"فتاویٰ رضویہ صرف فتووں کی کتاب نہیں، بلکہ اُمت کی فکر کا نقشہ ہے — میں اس سے صرف مسئلے نہیں لیتا، رہنمائی لیتا ہوں۔"

فتاویٰ رضویہ — مفتی صاحب کی مرجعِ علمی

"فتاویٰ رضویہ" صرف حضرت امام احمد رضا خان کا علمی ذخیرہ نہیں، بلکہ برصغیر کی اسلامی تاریخ کا زندہ حوالہ ہے۔ حضرت مفتی سید محمد عظمت علی نوری قادری رحمہُ اللہ علیہ نے اس خزانے کو اپنی فتویٰ نویسی کا بنیادی ماخذ بنایا۔

وہ ہر مسئلے میں اس بات کا خاص خیال رکھتے کہ:کیا اعلیٰ حضرت نے اس مسئلے پر کچھ فرمایا ہے؟ان کا اندازِ استنباط کیا تھا؟

کیا اُن کے دلائل آج کے زمانے پر بھی لاگو ہوتے ہیں؟

اور ہر بار، وہ یہ پاتے کہ:

“اعلیٰ حضرت کی فقہ وقت سے نہیں جُدا، بلکہ ہر وقت کی رہنما ہے۔”

فکری ہم آہنگی — عقل، عشق، اور احتیاط

حضرت مفتی صاحب اور اعلیٰ حضرت میں جو فکری ربط تھا، وہ تین بنیادوں پر استوار تھا:

عقل: دلیل کے ساتھ بات کہنا، بغیر تعصب یا تقلیدِ جامد کے
عشق: ہر فتویٰ میں رسول اللہ ﷺ سے محبت کا عکس
احتیاط: اختلاف میں سختی سے گریز، اور عوام کی آسانی پر زور

یہ تینوں عناصر حضرت مفتی صاحب کے ہر فتویٰ میں جھلکتے تھے، اور یہی اُنہیں “وارثِ رضا” کا حقیقی مصداق بناتے تھے۔

اقتباسات و حوالہ جات — ایک علمی روایت کی پاسداری

حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ میں “فتاویٰ رضویہ” کے اقتباسات نہ صرف علمی تقویت دیتے، بلکہ سائل کے دل میں اعتماد پیدا کرتے۔ وہ ہمیشہ حوالہ مکمل دیتے:

کتاب: فتاویٰ رضویہ جلد: 4 صفحہ: 211

قول: “اگر عرفِ عام میں فلاں فعل گستاخی کا مفہوم رکھتا ہے، تو وہ قول باطل ہے۔”

ایسا حوالہ نہ صرف فتوے کو وزن دیتا، بلکہ یہ بھی بتاتا کہ یہ رائے صدیوں کی علمی میراث کا تسلسل ہے۔

مسلکِ رضا — صرف ماضی نہیں، عصرِ حاضر کی راہ

حضرت مفتی صاحب نے فتاویٰ رضویہ کو صرف “ماضی کی نشانی” نہیں مانا، بلکہ عصرِ حاضر کی قیادت کا معیار مانا۔ وہ فرمایا کرتے:

“مسلکِ رضا کا مطلب صرف میلاد، فاتحہ اور تعویذ نہیں — یہ علم، عمل، محبت، اور تحفظِ عقیدہ کا مکمل

راستہ ہے۔”

یہی فہم ان کے فتاویٰ میں بھی نظر آتا، اور اسی وجہ سے وہ معاصر علماء، طلبہ، اور عوام میں یکساں محبوب رہے۔

 فکری نسبت کا اثر — دلوں پر اور قلم پر

حضرت مفتی صاحب کی فکری وابستگی کا اثر صرف کتابوں یا فتاویٰ تک محدود نہ رہا — ان کے خطبات، دروس، درسی مجالس، اور نجی نشستیں سب “رضا کا رنگ” لیے ہوتی تھیں۔ جب وہ کسی مسئلہ پر بات کرتے تو ایسا لگتا جیسے اعلیٰ حضرت کی زبان اُن کے قلم سے بول رہی ہو۔

باب پنجم

درسِ نظامی، شاگرد، مدارس اور تدریسی خدمات

آغازِ تدریس — علم سے خدمت کا سفر

علم صرف کتابوں کا ذخیرہ نہیں ہوتا، اور مدرس صرف اسباق دہرانے والا نہیں ہوتا —بلکہ اصل مدرس وہ ہوتا ہے جو علم کو زندگی میں اتار دے،اور طالب علم کو محض قاری نہیں، صاحبِ بصیرت بنادے۔حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کا تدریسی سفر بھی ایسا ہی تھا —جو فقہی گہرائی، روحانی اخلاص، اور عملی بصیرت سے مزین تھا۔

پہلا تدریسی مرحلہ — مدرسہ سے مدرس تک

تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت کا رجحان صرف افتاء کی طرف نہیں بلکہ تدریس کی طرف بھی شدید تھا۔ آپ کا اولین تدریسی دور دارالعلوم احسن البرکات، حیدرآباد سے شروع ہوا —
جہاں آپ نے درسِ نظامی کی ابتدائی کتب پڑھانا شروع کیں۔

ابتداء میں آپ کی ذمہ داری: نورانی قاعدہ، تجوید کی ابتدائیات اردو اسلامی کتب سیرت، عقیدہ پر تھی۔مگر بہت جلد، آپ کے تدریسی انداز، طلبا سے تعلق، اور تدبر کی صلاحیت کی وجہ سے،آپ کو نحو، صرف، منطق اور فقہ کی درمیانی کتب سونپ دی گئیں۔

تدریس کا اسلوب: علم کے ساتھ حکمت

حضرت کے درس کا انداز ہر لحاظ سے جدا اور جامع ہوتا۔ ان کے اسلوب کی کچھ نمایاں خصوصیات:

وضاحت: ہر عبارت کو الگ نکات میں کھولتے۔تشبیہ و
مثال:فلسفیانہ اور منطقی موضوعات میں روزمرہ مثال دیتے،

"جیسے دماغ سوچتا ہے، ویسے منطق دلیل تلاشتی ہے۔” **وقفۂ برائے سوال:** ہر سبق کے بیچ میں طلبا سے سوال کرتے اور ان کے سوالات کو خوشدلی سے سنتے۔

خلاصہ نویسی: سبق کے بعد اہم نکات بورڈ پر لکھتے اور خلاصہ دہراتے۔

دعائیہ انداز: ہر سبق کے آخر میں دعا کرتے:

یا اللہ! ان بچوں کو ایسا علم دے جو نافع ہو، اور ایسی بصیرت دے جو امت کو سنوار دے۔”

۞ تدریس صرف علم نہیں — عبادت ہے۔

حضرت فرمایا کرتے:

“جب طالب علم سوال کرے، تو استاد جواب نہ دے، تو یہ علم کا دروازہ بند کرنا ہے۔اور جب استاد دل سے سبق دے،تو وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔”یہی وجہ تھی کہ آپ کے اسباق میں:

خشوع ،ادب،ترتیب،اور معنویت نمایاں ہوتی ہے

طلبا سے تعلق — محبت، شفقت، تربیت

طلبا حضرت کو صرف مدرس نہیں، “روحانی مربی” مانتے ہیں۔

حضرت ہر طالب علم کو:نام سے پکارتے،انفرادی دعائیں کرتے،دینی، معاشی، اور شخصی مسائل سنتے،اور شفقت کے ساتھ رہنمائی کرتے

طالبِ علم نہیں، چراغ تھے — حضرت کے شاگرد

جس استاد کی زبان سے علم نکلے،اور دل سے دعا نکلے—اس کے شاگرد صرف پاس ہونے والے نہیں،بلکہ کامیاب ہونے والے، مؤثر ہونے والے، اور امت کو روشن کرنے والے ہوتے ہیں۔حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کے فیض یافتگان کی ایک پوری نسل ہے جو آج بھی مختلف میدانوں میں دین کی خدمت

انجام دے رہی ہے۔

شاگردوں کی فہرست

نمائندہ شخصیات

حضرت علامہ مولانا مفتی شاہد برکاتی (دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات)

حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالحفیظ (دارالافتاء دارالعلوم احسن البرکات)

حضرت علامہ مولانا مفتی جواد رضا خاں برکاتی الشامی(مہتمم دارالعلوم احسن البرکات)

حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالحفیظ خان چشتی (دارالافتاء عراق)

حضرت علامہ مولانا مفتی طارق شیخ (دارالافتاء یو کے برمنگھم)

حضرت علامہ مولانا مفتی حسان عطاری (دارالافتاء دعوت اسلامی)

حضرت علامہ مولانا مفتی احمد رضا (دارالافتاء دعوت اسلامی)

حضرت علامہ مولانا مفتی فاروق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (دارالافتاء دعوت اسلامی)

حضرت علامہ مولانا کاشف برکاتی (کوٹڑی)

ان شاگردوں کی علمی خدمات

حضرت کے شاگرد:

مدارس کے مدیر و مہتمم	**فتویٰ نویس مفتی**	**خطیب و مقرر**	**دینی مدارس کے نصاب نویس**	**اردو، عربی، انگریزی و فارسی کے ترجمہ نگار → بنے ہیں**

ان میں سے اکثر کہا کرتے:

“حضرت کی صحبت سے ہمیں علم کے ساتھ مقصد،
اور بصیرت کے ساتھ اخلاص ملا۔”

ادارہ سازی — حضرت کے قائم کردہ و معاون ادارے

حضرت مفتی صاحب نے کئی ادارے قائم، معاون، یا متحرک کیے۔

1. دارالعلوم جامعہ قادریہ، حیدرآباد

آپ اس کے مہتمم، مدرسِ اعلیٰ، و بانی تھے

اس ادارے میں درجۂ حفظ، ناظرہ، درسِ نظامی، افتاء، خطابت کے شعبے

2. مرکزی جامع مسجد، حیدرآباد

1993ء سے آپ اس مسجد کے خطیب رہے۔

مسجد کی تعمیر و توسیع آپ کی نگرانی میں ہوئی

دینی، روحانی، اصلاحی، تعلیمی خدمات یہاں سے انجام پائیں

3. ادارۂ فتاویٰ اہلِ سنت، سندھ زون

آپ اس کے مستقل رکن و مشیر رہے۔

یہاں کے فتویٰ بورڈ میں حضرت کی فقہی مہارت بنیادی حیثیت رکھتی تھی

4. جامعہ خیرالمدارس، بدین

نصاب کی ترتیب و درسی مشاورت حضرت سے لی جاتی رہی

حضرت نے سالانہ امتحانات اور تقسیم اسناد کی تقریبات میں کئی بار شرکت فرمائی

حضرت کا انتظامی کمال

حضرت صرف ایک مدرس نہیں — بلکہ ایک منظم و بصیرت افروز منتظم بھی تھے۔

درس صرف سبق نہیں — فہمِ وحی کا دروازہ

علمِ دین کی اصل روح یہ ہے کہ انسان محض عبارتیں نہ پڑھے،
بلکہ اس کے دل پر قرآن کی روشنی اور حدیث کی گرمی اترے —
یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ کی تدریس اپنے عروج پر پہنچتی ہے۔

ان کے دروسِ قرآن و حدیث وہ مجلسِ عرفان ہوتے جہاں:

الفاظ سے روشنی نکلتی

معانی سے قربِ مصطفیٰ ﷺ محسوس ہوتا

اور سامع کو یوں لگتا کہ وہ صرف طالب علم نہیں، خادمِ دین بن رہا ہے۔

دروسِ قرآن — روحانیت، معانی، اور حکمت کا امتزاج

حضرت کا قرآنی درس:

آیت کی تلاوت ترجمہ بلفظ اردو، سادہ عوامی اسلوب میں شانِ نزول یا پس منظراہلِ تفسیر کا اجماع و اختلاف روحانی نکات، تربیتی سبق، اور دعوتی پہلو مثال کے طور پر جب آپ سورہ الحجرات

کی آیت ”........ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ...“
پڑھتے تو فرمایا کرتے:

“یہ آیت صرف آواز کے ادب کی نہیں — یہ تربیتِ قلب کی آیت ہے۔
رسولِ اکرم ﷺ کی مجلس ہو یا سنت کا تذکرہ — آواز نہیں،دل جھکنا چاہیے۔”

دروسِ حدیث — ادبِ نبوی اور فہمِ فقہ

آپ کے دروسِ حدیث میں “مشکوٰۃ المصابیح” و “جامع ترمذی” مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔
ہر حدیث کو اس انداز میں پڑھاتے:
راوی کی مختصر سوانح،حدیث کی فقہی جہت،اس سے مستنبط احکام،روحانی تاثیراعلیٰ حضرت کی تشریح اگر موجود ہو)حدیثِ “إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ” پر فرمایا:یہ ایک حدیث نہیں —یہ دین کی بنیاد ہے۔ نیت کو پاک کرو، عمل خود پاک ہو جائے گا۔”

روحانی نظامِ تعلیم — علم کے ساتھ اصلاح

حضرت کا خاص امتیاز یہ تھا کہ ان کی تعلیم صرف “علم برائے علم” نہ تھی،
بلکہ “علم برائے عمل”، “علم برائے تربیت” اور “علم برائے قربِ الٰہی” تھی۔

ہر مہینہ کی خصوصی روحانی نشست:
ذکرِ الٰہی، درود شریف
سلوک و تصوف کی تعلیم

طلبہ کی انفرادی دعائیں
اصلاحی ہدایات

اور حضرت کے الفاظ میں "تزکیۂ علم" آپ فرمایا کرتے: اگر علم دل کو نرم نہ کرے، تو وہ بوجھ ہے، روشنی نہیں۔"

علم، سلوک اور عقیدت — تینوں کا توازن

حضرت کے نزدیک طالب علم کو تین چیزیں سیکھنی تھیں:

علم — صحیح فہم، دلیل، اور تحقیق کے ساتھ

سلوک — نفس کی اصلاح، دل کی صفائی، اور ادب کی تعلیم

عقیدت — رسول اللہ ﷺ سے سچا تعلق، آل و اصحاب کا ادب، اور مسلکِ اعلیٰ حضرت سے محبت

یہی وجہ تھی کہ ان کی کلاسز سے:
حافظ بھی نکلے
عالم بھی نکلے
مفتی بھی نکلے
اور صوفی منش مبلغ بھی

علمی مجلس کی ساخت — ترتیب اور تاثیر

حضرت کی درسگاہ میں:

ہر کتاب کا آغاز "فاتحہ و درود" سے ہوتا
سبق کے اختتام پر اجتماعی دعا ہوتی
ہر طالب علم کو سوال کرنے کی آزادی
سبق کے بعد شاگردوں کو "خلاصہ بیان" کروایا جاتا

→ یہ نظم و ضبط دراصل علمی ثقافت کا آئینہ دار تھا۔

طلبہ کی رائے:

ایک شاگرد نے بیان دیا:

"حضرت کے دروسِ قرآن میں دل سنبھالا نہیں جاتا،
اور دروسِ حدیث میں آنکھیں چھلکنے لگتی ہیں۔
وہ ہمیں علم نہیں سکھاتے تھے —
وہ ہمیں نبی ﷺ کی طرف متوجہ کرتے تھے۔"

تحریری نظم — سبق کے خلاصے، سوالات اور مراجعت

حضرت نے اپنے دروس کے ساتھ:خود ساختہ سوالات و جوابات،خلاصے،نکات،اور تحقیقی حوالہ جات تیار کر کے طلبہ کو مہیا کیے۔ان میں سے کئی بعد میں "درسی رہنماؤں" میں شامل کیے گئے۔

درسگاہ میں اخلاقی نظم، آپ کے ادارے میں:

نمازِ اول وقت کی سختی	استاد کے ادب کا سخت اصول	لباس کی شریعت کے مطابق ترتیب	کمرۂ جماعت کا ادب	اور طلبہ میں جماعتی وحدت	یہ سب تربیت کا حصہ تھا

دورِ جدید کا چیلنج — تعلیم میں فاصلہ یا رابطہ؟

علم جب صرف کتابوں میں قید ہو،
اور طالب علم صرف امتحان کے لیے پڑھ رہا ہو —
تو یہ تعلیم نہیں، صرف مشق ہے۔
لیکن جب علم عصرِ حاضر کی ضرورتوں سے جڑ

جائے،
تو وہی علم اصلاح، قیادت اور دعوت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کا یہ امتیاز تھا کہ وہ درسِ نظامی کو وقت کے تقاضوں کے ساتھ جوڑنے والے عالم تھے۔

درسِ نظامی کی تطبیق — روایت اور معاصر حالات کا سنگم

حضرت درسِ نظامی کے سخت حامی تھے، مگر وہ اس کے اندر اصلاح، ترتیب، اور تطبیق کے قائل بھی تھے۔

ان کے نزدیک اصلاح کا مفہوم:

اصول و بنیاد نہ چھیڑنا
ترتیب و تدریس میں حکمت لانا
طلبہ کی نفسیات کو مدنظر رکھنا
دورِ جدید کی مثالیں شامل کرنا
تحقیق و تدبر کی صلاحیت اجاگر کرنا
جدید موضوعات پر تدریسی گفتگو
حضرت نے کلاس رومز میں اکثر:
اسلام اور سوشل میڈیا
ڈیجیٹل سود (Online Riba)
میسج کے ذریعے نکاح یا طلاق
DNA سے نسب کا تعین
Artificial Intelligence اور علمِ افتاء → جیسے موضوعات پر بھی گفتگو فرمائی۔
یہ موضوعات محض علمی تجسس کے لیے نہیں تھے — بلکہ طلبا کو مسائلِ وقت سے جوڑنے کے لیے تھے۔

نصاب میں تدریسی تدبر
آپ کی تجویز پر بعض مدارس میں:
الفقہ المعاصر (جدید فقہی مسائل کی کتاب)
دعوتِ دین و ابلاغ (خطابت و میڈیا پر کتابچہ)
معاصر فلسفہ کا شرعی تجزیہ (تنقیدی مطالعہ)
→ شامل کیے گئے۔

حضرت نے فرمایا:

“اگر طالب علم کو صرف پچھلی صدی کا علم دیں گے،
تو وہ اگلی صدی کا امام کیسے بنے گا؟”

تحقیق کی عادت — درس کا مرکزی نکتہ

ہر طالب علم کو تحقیق سکھانے کے لیے:

حوالہ لکھنے کی مشق,نوٹ تیار کرنے کی تربیت,کتب خانے کے استعمال کا ہنر,اور خود سوال بنا کر اس پر تحقیق کرنے کی ہدایت, حضرت فرماتے:

“جس مدرسہ میں تحقیق نہ ہو،
وہاں علم فقط تراشیدہ معلومات ہے، تجربہ نہیں ہے”

حضرت کے جواب میں:

مدلل گفتگوقرآن و سنت کی روشنی اعلیٰ
حضرت کی توضیحاتاور دورِ جدید کے عقلی تقاضوں کو بھی سنا جاتا اسی لیے وہ صرف “مفتی” نہیں،

"عصر شناس عالم" تھے۔

طلبا کی فکری تربیت

ہر سال حضرت خصوصی کورس منعقد کرواتے:

تحقیقی اصولیات مطالعہ و خلاصہ نویسی
خطابتِ معاصرہ دعوت و مناظرہ میں توازن یہ
کورسز صرف علم نہیں دیتے تھے،
بلکہ طلبہ کے ذہنوں، زبانوں، اور دلوں کو سنوارتے تھے۔

یہ **علم کی زراعت** — مگر فصل کی نگہداشت بھی

جب درخت پروان چڑھ جائے، تو اس کی شاخوں کا خیال رکھنا،
پھل کی نگرانی کرنا، اور پانی مہیا کرنا —— یہی اصل باغبانی ہے۔

حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ نہ صرف درس دینے والے استاد تھے،بلکہ بعد از تعلیم زندگی میں ساتھ چلنے والے مربی بھی تھے۔فراغت کے بعد شاگردوں سے مسلسل رابطہ,فراغت کے بعد اکثر علما:
مختلف شہروں، ملکوں اور اداروں میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر حضرت کا انداز جدا تھا —— وہ کہتے تھے:شاگرد کا فارغ ہونا، میرے رشتے کے ختم ہونے کی علامت نہیں ——
بلکہ میرے ساتھ عملی سفر کی ابتدا ہے۔"اسی لیے:حضرت ہر شاگرد کی ذمہ داری کو محسوس کرتے،رابطہ رکھتے،گاہے بگاہے فون کرتے، یا خطوط لکھتے،مشکلات پر راہنمائی دیتے،اور جب وہ کسی علمی میدان میں آئیں تو دعا و حوصلہ افزائی کرتے۔

دارالافتاء میں تربیت یافتہ شاگردوں کی نگرانی

حضرت کے زیرِ نگرانی:

فتویٰ نویسی کے ماہر علماشرعی تحقیق کے طالب علم اور جدید فقہی سوالات پر ماہرانہ تبصرہ کرنے والے مفتیان کرام پیدا ہوئے۔آپ کی

خصوصیت:ہر فتویٰ پر شاگرد کے ساتھ طویل مکالمہ ہر حوالے کا مکمل جائزہ طلبہ کو حوالہ تلاش کرنا سکھانا جواب کے انداز پر گفتگواور الفاظ کے چناؤ پر اصلاح یہی وجہ تھی کہ حضرت کے شاگرد صرف مفتی نہیں،بلکہ فقہی مزاج رکھنے والے محقق بنے۔

خطبہ نگاری اور تقریر میں رہنمائی

جو شاگرد خطیب بنے، حضرت ان کی تربیت

میں بھی ساتھ تھے:جمعہ کے خطبے سے پہلے ان کے مسودات سنتے،تقریر کا عنوان تجویز کرتے،عقائدی اور فقہی توازن پر نظر رکھتے،اور اگر کوئی شاگرد نئی جگہ خطابت پر جاتا، تو دعا کے ساتھ رخصت

فرماتے۔حضرت کا جملہ:

“تم جہاں جاؤ، علم لے کر جاؤ،اور جہاں بولنے

لگو، دل سے بولو۔”

آن لائن رہنمائی — عصرِ حاضر کا فہم

حضرت نے جدید وسائل کا صحیح استعمال کیا:

واٹس ایپ گروپس پر طلبا کے ساتھ علمی سوال و جواب

ایمیل کے ذریعے تحقیقی رہنمائی

Zoom پر خصوصی دروس

اور صوتی پیغامات میں نصیحتیں

یہی وجہ تھی کہ مشرق سے مغرب تک ان کے

شاگرد احساس کرتے تھے کہ وہ صرف علم کے نہیں، تعلق کے بھی وارث ہیں۔

تعلیمی و دعوتی منصوبے فراغت کے بعد اکثر شاگردوں کو دعوتی منصوبے دیتے علاقائی سطح پر مدارس قائم کرناجامع مساجد میں ہفتے وار درسِ قرآن شروع کرناخواتین کے لیے دروس و اخلاقی مجالس نوجوانوں کے لیے تحریر و تقریر کی تربیت یہ منصوبے حضرت کے مشورے سے بنتے اور ان کی دعاؤں سے پروان چڑھتے۔تحریری ترقی میں معاونت ،کئی شاگردوں نے:

مقالے، رسائل، فقہی تجزیے،مدارس کے نصابات،اور خطبات کی کتابیں تیار کیں، اور حضرت نے:ابتدائی خاکے،عنوانات،حوالے جات میں مکمل راہنمائی فرمائی

ایک شاگرد نے کہا:میری پوری کتاب حضرت کے قلم کی مہک سے روشن ہے۔”

تدریسی تربیت — اساتذہ کی تیاری

بعض شاگرد:خود مدرس بنے مگر ابتدائی تدریسی تجربے میں کمزور محسوس کرتے حضرت نے ان کے لیے:تدریس کا اسلوب سبق کا خلاصہ بنانے کا طریقہ سوال جواب کی ترتیب اور طلبہ کی نفسیات سمجھنے کا فن سکھایا، اور فرمایا:

طالب علم کو سبق یاد نہ ہو، تو افسوس نہیں — مگر سبق سمجھ نہ پائے، تو یہ استاذ کی ذمہ داری ہے۔”دعوتی میدان میں راہنمائی حضرت نے اپنے شاگردوں کو:فرقہ باطلہ کے اعتراضات کا جواب،نرم اندازِ تقریر،دلائل کی ترتیب،اور رواداری کے دائرے میں حق گوئی سکھائی۔فرماتے:

“خطابت میں آگ ہو، مگر زبان میں نرم ہوا

ہو۔”

بیماری کا آغاز —— مگر علم کی شمع روشن رہی
جسم تھکا ہوا تھا، مگر دل بیدار تھانفس کمزور تھا، مگر ارادہ فولاد تھا۔جب حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ شدید بیماری کے دوران علم کا سفر جاری رکھے ہوئے تھے، تو گویا وہ صرف تدریس نہیں کر رہے تھے بلکہ صبر، عزم، اور شوق کی تفسیر پیش کر رہے تھے۔تیسری

مرتبہ فالج —— **لیکن سبق جاری جب حضرت کو تیسری مرتبہ فالج کا شدید حملہ ہوا،تو ڈاکٹروں نے بستر پر آرام کا مشورہ دیا۔**

لیکن آپ نے فرمایا:

علم وہ امانت ہے جسے بیماری بھی نہیں روک سکتی۔

میں اگر چل نہیں سکتا تو بیٹھ کر پڑھاؤں گا۔اگر لکھ

نہیں سکتا تو سناؤں گا ——

مگر علم کا چراغ بجھنے نہیں دوں گا۔”

تدریس کا انداز — بستر پر بیٹھ کر سبق

سی دوران آپ نے:مدرسہ جامعہ قادریہ میں تدریسی سلسلہ اپنے کمرے میں جاری رکھاطلبہ کو چھوٹے گروپوں میں بلایا جاتاسبق بیٹھ کر، دھیمی آواز میں، مگر پوری بصیرت کے ساتھ دیا جاتا۔گاہے گاہے وقفہ لے کر، مگر ہر نکتہ واضح کیا جاتا

طلبا کہتے ہیں:ہمیں یوں محسوس ہوتا جیسے حضرت کی زبان سے علم نہیں،روشنی نکل رہی ہو۔”

دروسِ قرآن و حدیث — بیماری میں بھی مسلسل

بیماری کے باوجود:آپ نے دروسِ قرآن کو وقف نہیں کیا۔ہر اتوار درسِ قرآن جاری رہتا
مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، اور شرحِ عقائد کی کلاسز
بستر سے دی جاتی رہیں۔یہاں تک کہ کچھ طلبا نے سبق کے آڈیو ریکارڈنگ کی تاکہ ان کے بعد بھی یہ صدائے علم جاری رہے۔

عبادت و اذکار — بیماری کے عالم میں روح کی تازگی

ایسے عالم میں جب سانس لینا بھی دشوار ہو،
حضرت:

- پنج وقتہ نماز بستر پر ادا کرتے
- قرآن کی تلاوت جاری رکھتے
- درود و وظائف کا معمول قائم رکھتے
- اور بعض اوقات شاگردوں سے کہا کرتے:
- “بیٹا! تُو قرآن سن، میں دل سے سُن رہا ہوں۔”
- یہی روحانی عزم ان کے علم کا ستون تھا۔

دعوتی مجالس میں شرکت — بیماری کے باوجود

آپ نے اپنی شدید علالت کے باوجود:متعدد دینی اجتماعات میں شرکت کی ویل چیئر پر جا کر خطابات کیے۔علم و تبلیغ کا پیغام دیااور ہر جگہ یہی

فرمایا: مجھے نہ اپنے درد کا احساس ہے،
نہ کمزوری کی فکر — مجھے تو بس یہ ڈر ہے کہ
علم کی امانت ادھوری نہ رہ جائے۔”

آخری درس — دلوں کو ہلا دینے والا منظر

آپ کا آخری درس تھا: فقہ اور تقویٰ — علم کے دو پر”

- اس سبق میں آپ نے فرمایا: علم ہو اور تقویٰ نہ ہو —
  تو وہ تکبر بن جاتا ہے۔
  اور تقویٰ ہو، مگر علم نہ ہو —
  تو وہ بدعت کا راستہ بن سکتا ہے۔
  مگر جب علم اور تقویٰ جمع ہوں —
  تو وہ امام اعظم بن جاتے ہیں۔” یہ بات کہتے ہوئے حضرت کی آنکھوں میں آنسو تھے اور طلبہ کی آنکھوں میں سکوت۔

وصال — مگر علم کا چراغ باقی

18ماہ مسلسل بیماری، تین فالج کے
حملے، دھیمی آواز، لرزتے ہاتھ، مگر تدریس، ذکر، قرآن، اور دعاؤں کا نور — یہی حضرت کی آخری زندگی کی تصویر ہے۔

وصال کے بعد بھی: ان کی ریکارڈ شدہ آڈیوز
تحریری خلاصے، شاگردوں کی دعائیں
ادارے کی رونق

→ سب کچھ کہتا ہے کہ:

“عظمت مرتی نہیں —

وہ شاگردوں میں زندہ رہتی ہے۔"

وصال کے بعد — علم کا سورج غروب نہیں ہوا

ہر جسمانی وجود فنا ہوتا ہے،
مگر جو علم بانٹ دے، روشنی دے، اور روحیں جگا دے،
اس کی زندگی کا تسلسل وصال کے بعد شروع ہوتا ہے۔

حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کا تدریسی ورثہ بھی وصال کے بعد مزید پختہ، جامع اور مؤثر صورت اختیار کر گیا۔

شاگردوں کی نسل — علم کے چراغ بانٹنے والے

وصال کے بعد حضرت کے تربیت یافتہ:

- مختلف شہروں میں مدرسین بنے
- مدارس کے مہتمم و مدیر بنے
- دارالافتاء کے قائم مقام مفتی بنے
- خطیبِ جمعہ، مدرسِ حدیث، مدرسِ اصول و فقہ
- → یہ سب حضرت کی تربیت کا ثمر تھے۔
- ایک شاگرد نے فرمایا:
- "حضرت کا وصال جسمانی تھا، فکری نہیں —
  ہم آج بھی ان کی آواز، ان کی رہنمائی،اور
  ان کے علم کی گرمی اپنے اندر محسوس کرتے
  ہیں۔"

دارالعلوم جامعہ قادریہ کی بقاء
— حضرت کا جاری صدقہ
آپ کے زیرِ نگرانی قائم کردہ ادارے جامعہ قادریہ:آج بھی سینکڑوں طلبہ کو علم دے رہا ہے۔جدید

وسائل کے ساتھ روایتی درسِ نظامی جاری ہے۔ درسِ قرآن، دروسِ حدیث، اور تخصص فی الفقہ کا نظام مضبوط تر ہو چکا ہے۔ آن لائن تعلیم کا سلسلہ بھی حضرت کے نقشِ قدم پر استوار ہے۔

یہی وہ مرکز ہے جو حضرت کا “علمی شجرِ سایہ دار” بن چکا ہے۔

آن لائن اثر — جدید دنیا میں علمی تسلسل

حضرت کے خطبات، دروس، اور تحریری

اقتباسات: واٹس ایپ گروپس میں پھیلائے جا رہے ہیں

یوٹیوب چینلز پر محفوظ کیے گئے

Facebook و Telegram پر فکرِ رضا کے نمائندے کے طور پر حضرت کو یاد کیا جاتا ہے۔

→ گویا حضرت کی علم و تربیت آج ڈیجیٹل دنیا میں بھی زندہ ہے۔

مسلکِ رضا کی تعلیم میں تسلسل

حضرت نے جو:

علم دیا، کردار سکھایا، مسلکِ اعلیٰ حضرت کا عملی تعارف کروایا

→ وہ آج اُن کے شاگردوں اور اداروں میں جابجا نظر آتا ہے۔

آپ کی فکر کا خلاصہ یہ تھا:

“علم ہو مگر ادب کے بغیر نہیں،
فہم ہو مگر عقیدت کے بغیر نہیں،
اور دین ہو مگر سنت و شریعت کے بغیر نہیں۔”

تعلیمی ترقی — حضرت کے خطوط کی روشنی میں حضرت نے وصال سے کچھ عرصہ

قبل:مدارس کے لیے جدید تعلیمی خاکہتدریس کی اصلاحی تجاویز اور “نصابِ علم و تربیت” کا خلاصہ تحریر کیا، جس پر ان کے ادارے آج بھی عمل پیرا ہیں۔

دروسِ ذکر و اخلاق کا تسلسل

حضرت کے قائم کردہ:

- ماہانہ نعتیہ مجالس
- دروسِ سیرت
- روحانی نشستیں
- اور ذکرِ الٰہی کی محافل

آج بھی حضرت کے انداز، آواز، اور تربیتی اسلوب کے ساتھ جاری ہیں۔طلبہ کے لیے وراثت ہر شاگرد کو

حضرت نے:

صرف کتاب نہیں دی، فکر دی،صرف سبق نہیں دیا، صبر سکھایا،صرف حوالہ نہیں دیا، حکمت دی،اور صرف فتویٰ نہیں سکھایا، فہمِ شریعت دیا،یہی ان کی تدریسی خدمات کا باقی رہ جانے والا تسلسل ہے۔

حضرت کا پیغام — آخری خطبہ کا اقتباس

“اگر تم چاہو کہ تمہارے جانے کے بعد تمہارا علم باقی رہے،
تو تمہیں علم محض حفظ نہیں کرنا ہوگا بلکہ اسے دل میں رکھنا ہوگا۔اگر تم اپنے علم کوسنوار دو،تو تمہارا نام، تمہارے لفظوں کے بغیر بھی زندہ رہے گا۔”

باب ششم

روحانی سفر — بیعت، خلافت، اور مجازِ طریقت

روحانیت کی طرف پہلا رجحان

قبلہ مفتی صاحب کی علمی زندگی جتنی گہرائی رکھتی تھی، ان کی **روحانی زندگی** بھی اُتنی ہی بلند، پاکیزہ، اور تربیتی افق پر استوار تھی۔ دینِ اسلام کا حقیقی حسن، جہاں ایک طرف شریعت کے ظاہری احکام ہیں، وہیں دوسری طرف **باطنی تزکیہ، احوال کی درستی، اور قربِ الٰہی کا سفر** ہے — اور یہی سفر انہیں روحانیت کی طرف لے کر آیا۔

بچپن کے آثارِ روحانیت

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر **روحانیت کی جھلک** بچپن ہی سے نظر آتی تھی:

نماز اور تلاوت سے غیر معمولی شغف،اولیاء کرام کی بارگاہ میں ادب و شوق،ذکرِ الٰہی سے محبت

سادہ طبعیت، نرم لہجہ، اور عاجزی،یہی رجحانات بعد میں ان کے روحانی سفر کی بنیاد بنے۔

روحانیت کی طلب اور دل کی بے چینی

جب حضرت مفتی صاحب نے دینی تعلیم کے مختلف مراحل مکمل کر لیے، تو ان کے دل میں ایک **نئی پیاس** پیدا ہوئی — ایسی پیاس جو محض علم سے نہیں بجھتی، بلکہ **تذکیۂ نفس، معرفتِ الٰہی، اور صحبتِ صالحین** سے سیراب ہوتی ہے۔ انہوں نے اس کیفیت کو خود یوں بیان کیا:

“علم نے عقل کو جِلا دی، اب دل کے آئینے کو جِلا دینے کا وقت ہے۔”

تصوف کا پہلا ذوق

حضرت مفتی صاحب نے ابتدا میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب جیسے **"حدائقِ بخشش"**، **"ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت"** اور **"مکتوباتِ امام"** کا بغور مطالعہ کیا۔ انکے ذریعے انہیں **تصوفِ صحیح** کی فہم حاصل ہوئی — وہ تصوف جو شریعت کا تابع ہے، نہ کہ اس کا مخالف۔

روحانی اساتذہ کی تلاش

علم و عقل کی روشنی میں انہوں نے تصوف کی کئی راہوں کا جائزہ لیا، حتیٰ کہ بالآخر ان کا دل **سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ** کی طرف مائل ہوا، جو علم، ادب، شریعت، اور طریقت کا حسین امتزاج ہے۔

انہوں نے فرمایا:

میرے روحانی ذوق کی آبیاری اس وقت ہوئی جب میں نے طریقت کو شریعت کے سائے میں پایا۔"

: بیعت کا لمحہ — روحانی زندگی کی بنیاد

روحانیت کا اصل دروازہ **بیعت** ہے — وہ تعلق جو بندے کو **ایک کامل مرشد** سے جوڑتا ہے، جو اس کی روح کو سلوک کی منازل پر گامزن کرتا ہے۔ قبلہ مفتی صاحب کے لیے بھی یہ لمحہ ایک **زندگی بدل دینے والا مرحلہ** تھا، جس نے ان کی دینی، فکری اور روحانی شخصیت کو نئی جہت دی۔

بیعت کی جستجو: ایک شعوری فیصلہ

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت کے لیے کبھی جلدبازی یا جذباتی وابستگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ فرمایا کرتے:

"بیعت صرف کسی کی عمامے یا جُبے سے متأثر ہوکر نہ کی جائے، بلکہ اُسے تلاش کیا جائے جو تمہارے

باطن کی تربیت کر سکے۔"

اسی لیے انہوں نے کئی سال تک مختلف اولیاء، مشائخ، اور سلاسل کے مزاج کا مطالعہ کیا، ان کی تعلیمات کا جائزہ لیا، اور دل کی گہرائیوں سے دعا کرتے رہے کہ انہیں کوئی **مرشدِ کامل** عطا ہو۔

ملاقاتِ پیرِ کامل: وصالِ دل

بالآخر، اللہ تعالیٰ نے انہیں **شیخِ طریقت، مجددِ عصر، وارثِ علومِ رضا، حضرت علامہ مولانا تاج الشریعہ پیرمفتی آختر رضا خان قادری رحمہ اللہ علیہ** کی صحبت عطا فرمائی۔

پہلی ہی ملاقات میں حضرت مفتی صاحب کو ایسا روحانی سکون، علم کا نور، اور ذکرِ الٰہی کی مہک محسوس ہوئی، جو کسی اور سے نہ ملی تھی۔

ان کے تاثرات یوں بیان کیے گئے:

"یوں لگا جیسے دل کو وہ چیز مل گئی جسے مدتوں ڈھونڈ رہا تھا۔"

□ بیعت کا منظر

اس مبارک موقع پر حضرت مفتی صاحب نے دل کی گہرائیوں سے **سلسلہ قادریہ رضویہ** میں حضور تاج الشریعہ رحمہ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر **بیعت** کی۔ یہ بیعت صرف رسمی یا ظاہری نہ تھی، بلکہ کامل تسلیم و رضا، سچے ارادے، اور روحانی وابستگی کا اظہار تھی۔

بیعت کے لمحات میں:

دل کی عجیب کیفیت تھی — آنکھیں نم، لبوں پر خاموشی، اور دل پر سکون

مرشد نے دعا فرمائی:

"اللہ تجھے علم کے ساتھ حال عطا کرے، اور شریعت کے ساتھ طریقت کا جمال عطا کرے۔"اس لمحے سے حضرت مفتی صاحب کی **روحانی تربیت کا باقاعدہ آغاز** ہوا۔

بیعت کے بعد کی پہلی ہدایات

بیعت کے فوراً بعد حضرت پیر و مرشد نے انہیں چند اعمال کی تلقین کی:

- نمازِ پنجگانہ کی پابندی (مع الخشوع)
- روزانہ مخصوص اذکار اور اوراد (وردِ قادری، درودِ تاج، اسمِ ذات)
- خلوت میں مراقبہ،بزرگوں کی سوانح اور ملفوظات کا مطالعہ،ہر ہفتہ ملاقات یا مکتوب کے ذریعہ احوال بھیجنا،حضرت مفتی صاحب نے ان ہدایات کو **تمام عمر نبھایا** اور اسی کو "اولین تربیت" فرمایا۔

سلوک کا آغاز: روح کی غذا

بیعت کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ کی زندگی کا ہر لمحہ **تزکیہ نفس اور اصلاحِ باطن** کے لیے وقف ہو گیا۔ ان کا معمول بدل گیا — اور وہ اب نہ صرف علم کے طالب، بلکہ **روحانیت کے راہی** بن چکے تھے۔

ان کے لیے سلوک کا مطلب صرف وظائف پڑھنا نہ تھا، بلکہ:

- دل کو غرور، حسد، اور کینے سے پاک کرنا
- ذکر کی کثرت سے دل کو اللہ کی طرف مائل رکھنا
- اپنے ہر عمل کو خالص اللہ کی رضا کے لیے بنانا
- ہر وقت اللہ کی قربت کے احساس میں جینا

مجاہدات: روحانی سفر کا ایندھن

حضرت مفتی صاحب نے مرشد کے حکم پر نہایت سخت **مجاہدات** کیے — جنہیں وہ “روح کی تربیت کا ایندھن” کہا کرتے تھے۔ ان کے چند معروف مجاہدات درج ذیل ہیں:

1. سحر خیزی

- روزانہ تہجد میں کم از کم دو گھنٹے قیام

اس وقت کو "خدا سے راز و نیاز" کا لمحہ کہا کرتے

2.صومِ وصال

ہر ہفتے میں کم از کم تین روزے

بعض ایام میں ایامِ بیض، یومِ دو شنبہ اور جمعرات کے روزے

3. خاموشی کی ریاضت

دن میں ایک وقت مخصوص خاموشی و خلوت

اس میں مراقبہ، ذکرِ قلبی، اور باطنی محاسبہ

4. نظر کی حفاظت

نگاہ کو پست رکھنا، اور ہر حرام منظر سے بچنا

فرماتے: "باطن کی آنکھ تب کھلتی ہے، جب ظاہر کی آنکھ پر قفل لگایا جائے۔”

اذکار و اوراد: تسلسل اور استغراق

ان کے اوراد و اذکار کا معمول بے حد منظم اور روحانی تاثیر سے بھرپور تھا:

وردِ قادری: “هُوَ اللّٰہ" کے ساتھ ذکرِ قلبی

اسمِ ذات: “اللّٰہ، اللّٰہ" کا مسلسل تکرار

درود شریف: درودِ تاج، درودِ پاک، اور صلوٰۃ المشائخ

استغفار: کم از کم ۱۰۰۰ مرتبہ روزانہ

مراقبہ: روزانہ ۲۰ تا ۳۰ منٹ، اللہ کے حضور خاموش حاضری

فرمایا کرتے:

“ذکر وہ خوراک ہے جس کے بغیر روح کا سانس بھی ممکن نہیں۔”

تربیتی نصاب اور ملفوظات

مرشدِ کامل نے ان کے لیے خاص روحانی مطالعہ تجویز فرمایا، جس میں شامل تھا:

مکتوباتِ امام ربانی

فتوحاتِ مکیہ (منتخب ابواب)
اسرار الاولیا
ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت
سوانح حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

حضرت مفتی صاحب ان کتب سے نہ صرف روحانی قوت لیتے، بلکہ **درس و خطابت میں** بھی ان سے استدلال کیا کرتے تھے۔

قسط 4: خلافت و اجازت — روحانیت کی گواہی

سلوک کی منازل طے کرنے کے بعد سالک جب مقامِ ثبات، اخلاص، اور تصرف تک پہنچتا ہے، تو مرشدِ کاملِ اُسے اجازت و خلافت سے نواز کر آگے نسلِ انسانی کی اصلاح کے لیے متعین کرتا ہے۔ قبلہ مفتی صاحب کی روحانی تربیت جب تکمیل کو پہنچی، تو اُن کے مرشد حضور **تاج الشریعہ** رحمہ اللہ علیہ نے انہیں نہ صرف **خلافت** سے سرفراز فرمایا بلکہ **مجازِ بیعت** اور **ارشاد** بھی عطا کیا۔

روحانی پختگی کی پہچان

حضرت مفتی صاحب کی روحانی تربیت برسوں پر محیط تھی۔ وہ مرشد کی بارگاہ میں خالص ادب، سچائی، اور فنا فی الشیخ کے جذبے سے حاضر ہوتے رہے۔ ان کی روحانی پختگی کے کچھ نمایاں مظاہر درج ذیل ہیں:

- مجاہدات میں ثابت قدمی
- اذکار و اوراد میں تسلسل
- علمی بصیرت اور عرفانی ذوق
- مریدین اور طالبین کے سوالات کا عرفانی جواب
- باطن میں کشف و فراست کی جھلک

مرشد نے ایک دن فرمایا:
“اب تُو صرف علم کا وارث نہیں، حال کا امین

بھی ہے — تُو دے سکتا ہے!”

اجازتِ بیعت و خلافت

حضور **تاج الشریعہ** رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مفتی صاحب کو **سلسلۂ قادریہ رضویہ** میں باقاعدہ خلافت عطا کی، جس میں درج نکات شامل تھے:

- مجازِ بیعت عام و خاص
- مجازِ ارشاد (درسِ روحانی)
- مجازِ تلقینِ ذکرِ قلبی و لسانی
- اجازتِ اورادِ قادریہ
- تلقینِ اسمِ ذات "اللّٰہ”
- اجازتِ وظائفِ اعلیٰ حضرت و مشائخِ سلسلہ

یہ خلافت محض رسمی دستار نہ تھی، بلکہ **روحانی تصرف و تأثیر** کی علامت تھی۔

خلافت کی سند: ایک تاریخی موقع

خلافت کے موقع پر ایک باقاعدہ مجلس منعقد ہوئی، جس میں:

مشائخِ کرام علما و فضلامریدینِ و متوسلین طلبہ و سالکین کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی۔ حضور **تاج الشریعہ** رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محبت سے فرمایا:

“آج میں اپنے اس فرزندِ روحانی کو اجازت دے رہا ہوں، جس نے علم و حال دونوں میں کمال دکھایا — یہ شریعت کا عالم، طریقت کا رہبر، اور محبتِ رسول کا علمبردار ہے۔”اسی مجلس میں حضرت مفتی صاحب کے سر پر **دستارِ خلافت** رکھی گئی، اور ان کے ہاتھوں پر کئی نئے مریدین نے بیعت کی۔

خلافت کے بعد کی ذمہ داریاں

خلافت کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو صرف بیعت یا ذکر کی تلقین تک محدود

نہیں رکھا، بلکہ انہوں نے:

- اصلاحی نشستوں کا سلسلہ شروع کیا
- ہفتہ وار مجالسِ ذکر و فکر کا اہتمام کیا
- سلوک و معرفت پر دروس دیے
- علما و مشائخ کے ساتھ رابطہ بڑھایا
- سالکین کی فرداً فرداً تربیت کی
- روحانی خطوط کے ذریعے اصلاحی پیغام جاری کیا

انہوں نے فرمایا:

"بیعت کا مطلب ہے تربیت، اور خلافت کا مطلب ہے ذمہ داری۔"

فیضانِ طریقت — سالکین، خلفاء، اور روحانی ورثہ

جب کوئی سالک مرشدِ کامل سے فیض پا کر خود مقامِ ارشاد پر فائز ہو جاتا ہے، تو اُس کے ذریعے روحانی فَیضان کا دریا بہنے لگتا ہے۔ قبلہ مفتی صاحب نہ صرف خود فیض یافتہ تھے بلکہ ایک **فیض رساں شخصیت** کے طور پر اپنے عہد میں نمایاں ہوئے۔

حلقۂ ارادت: مخلص مریدین اور سچے سالکین حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ نے خلافت کے بعد بے شمار لوگوں کو **بیعت** فرمایا — جن میں شامل تھے: علما و طلبہ تاجر و معزز شہری جوان، بوڑھے، اور خواتین صوفی مزاج عوام و خواص ہر ایک کے ساتھ ان کا سلوک ان کی **روحانی حکمت** کا مظہر ہوتا۔ کوئی طالب علم آیا، تو علم کے زاویے سے اصلاح فرماتے؛ کوئی عام شخص آیا، تو اُسے ذکر و دعا کے ذریعے جوڑتے۔

فرمایا کرتے:

"ہر طالب الگ راستہ چاہتا ہے، مگر منزل ایک ہے — اللہ کی رضا!"

تربیتی نصاب اور اصلاحی مجالس

حضرت مفتی صاحب نے صرف بیعت تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ:

ہفتہ وار تربیتی مجالس منعقد فرمائیں

ذکر کی باقاعدہ محفلیں قائم کیں

اصلاحی دروس میں سلوک، تقویٰ، اخلاص، نیت، اور ادب پر زور دیا

رمضان، ربیع الاول، محرم جیسے مہینوں میں خاص روحانی اجتماعات کا انعقاد کیا

ان کی مجالس میں شرکت کرنے والے افراد باقاعدہ **روحانی تبدیلی** محسوس کرتے۔

خلفاء کرام: فیضان کے امین

حضرت مفتی صاحب نے چند مخلص، تربیت یافتہ، اور روحانی طور پر مضبوط سالکین کو **خلافت** سے نوازا، جن میں سے ہر ایک کو الگ الگ علاقے، مزاج، اور سماجی دائرے میں روحانی خدمت کے لیے متعین فرمایا۔خلفاء کے لیے اُن کی بنیادی شرائط تھیں:علمی و فقہی پختگی باطنی صفائی اور حسنِ نیت ذکر و اذکار کی پابندی دنیا سے بے رغبتی ادبِ مرشد میں فنا ایک مرتبہ فرمایا:

"خلافت اُن کے لیے ہے جو اپنی ذات کو فانی سمجھیں، اور دین کو غالب۔"

اصلاح و ہدایت کا اثران کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کی زندگیوں میں واضح تبدیلی آتی:نماز کا اہتمام ذکر و درود کا معمول غیبت، حسد، اور بغض سے نجات عشقِ رسول ﷺ کا نور فقہی شعور اور عقائدِ اہلِ سنت پر استقامت

ایک صاحب نے کہا:

"حضرت کی ایک نظر سے دل بدل گیا، اور زندگی کا مقصد سمجھ میں آ گیا۔"

روحانی ورثہ: ایک جاری صدقہ جاریہ

حضرت مفتی صاحب کا روحانی ورثہ فقط
مریدین اور خلفاء تک محدود نہ رہا، بلکہ:

- ان کی تصانیف، ملفوظات، اور خطبات
- ان کے تربیت یافتہ شاگرد
- ان کی اصلاحی و روحانی مجالس
- ان کے قائم کردہ ذکر کے حلقے
- اور ان کے ماننے والوں کی زندگیاں
- آج بھی اُن کے فیضان کی زندہ علامت ہیں۔ ان

کے انتقال کے بعد بھی ان کے مزارات و مجالس میں لوگ
فیض حاصل کرتے ہیں

باب ہفتم

عالمی تبلیغ، بیرون ملک دعوت، اور مشرف بہ اسلام افراد

✍ تجویز کردہ اقساط کی ترتیب:

- قسط 1: عالمی دعوت کا آغاز — پہلی بیرونِ ملک روانگی، نیت، اور ابتدائی اثرات
- قسط 2: عراق و بغداد کی زیارت، علماءِ عرب سے ملاقات، اور تبلیغی مجالس
- قسط 3: ایران و شام میں اہلِ بیت کے مزارات پر حاضری، وحدتِ اُمت کا پیغام
- قسط 4: سعودی عرب میں حرمینہ شریفین، علمی گفتگو، اور اعتدال کا مظہر
- قسط 5: دبئی و خلیجی ممالک — جدید معاشروں میں تبلیغ، مشرف بہ اسلام افراد
- قسط 6: عالمی اثرات — قبولِ اسلام کی داستانیں، خطوط، دعوتی کامیابیاں

عالمی دعوت کا آغاز — پہلی بیرونِ ملک روانگی، نیت، اور ابتدائی اثرات

تبلیغِ دین — سرحدوں سے ماورا پیغام

اسلام ایک عالمگیر دین ہے — اس کی دعوت کسی قوم، کسی زبان، یا کسی جغرافیائی حدود تک محدود نہیں۔ جیسے قرآن مجید نے فرمایا:

وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا)اسی عالمی پیغام کو لے کر قبلہ مفتی صاحب نے اپنے ذاتی علم، کردار، اور روحانی نسبت کے ساتھ جب بین الاقوامی سفر کا آغاز کیا، تو محض ایک شخص سفر پر روانہ نہیں ہوا — ایک **علمی، روحانی اور تبلیغی کارواں** نکلا جو بعد میں ہزاروں دلوں کی منزل بن گیا۔

پہلا سفر — ایک خواب، ایک نیت، ایک انقلاب

یہ 1993 کی دہائی کے اختتامی ایّام تھے۔ پاکستان کی ایک خالص روحانی درسگاہ میں بیٹھے ہوئے حضرت مفتی صاحب کے دل میں ایک خواہش بار بار اٹھتی:

"کیا میرا رب مجھے اپنے نبی ﷺ کے شہر لے جائے گا؟ کیا میں ان مقامات کو دیکھ سکوں گا جہاں علیؑ، حسن، حسین، امام جعفر صادق، غوث الاعظم، اور امام حسینؑ نے قدم رکھے؟"

یہ صرف سیاحت یا زیارت کی تمنا نہیں تھی — یہ **دعوتِ دین کا درد** تھا، جس نے ان کی ہر دعا، ہر نیّت، اور ہر سجدے کو اس ایک بات پر مرکوز کر دیا:

"یا اللہ! مجھے دین کا سفیر بنا دے، تیرے محبوب ﷺ کا پیغام لے کر دنیا میں نکلنے والا داعی بنا دے۔"

اور پھر ایک دن، قدرت نے ان کی یہ دعا قبول کر لی — ان کے ہاتھ میں پہلا بین الاقوامی ویزا تھا۔

نیت کی پاکیزگی — "میں علم لے کر جا رہا ہوں، فخر نہیں"

جب ان سے کسی نے پوچھا کہ "حضرت! آپ بیرونِ ملک جا رہے ہیں، کچھ خاص مقصد؟"

تو مفتی صاحب نے مسکرا کر فرمایا:

"ہاں، مقصد ہے — لیکن میری زبان خاموش رہے گی، اور میرا عمل بولے گا۔ میں علم لے کر جا رہا ہوں، فخر نہیں، میں دین سکھانے نہیں، سیکھنے بھی جا رہا ہوں۔"

یہی وہ خاکساری تھی جو ان کے ہر سفر کو **مقدس مشن** میں بدل دیتی۔

سفر کی تیاری — روحانی زادِ راہ

جب حضرت مفتی صاحب پہلی بار بیرونِ ملک

روانہ ہونے لگے، تو ان کے ساتھ جو سامان تھا، وہ ظاہر میں سادہ تھا:
ایک سفید لباس تسبیح درود شریف کی کتاب کچھ دینی کتابیں اور ایک عدد مکتوب جس پر لکھا تھا:
"رب زدنی علماً، وارزقنی فہماً، وانفعنی بما علمتنی"
لیکن جو اصل سامان ان کے ساتھ تھا، وہ تھا: خلوصِ نیت فہمِ دین عشقِ مصطفیٰ ﷺ اور نیت:دعوت، نسبت، محبت، اور شریعت

پہلی منزل — خلیجی دنیا کا دروازہ: دبئی

پہلا قدم **دبئی** میں رکھا گیا — ایک ایسا شہر جو اس وقت بھی جدیدیت اور اسلامی ثقافت کے درمیان جھولتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ یہاں حضرت مفتی صاحب نے اپنی پہلی دعوتی نشست ایک مسجد میں دی، جہاں مختلف ممالک کے لوگ موجود تھے: پاکستانی، انڈین، بنگلہ دیشی، عرب، اور یہاں تک کہ یورپی مسلمان بھی۔
حضرت نے یہاں قرآن کی وہی زبان استعمال کی جو ہر دل کو چھو جاتی ہے — محبت، رحم، علم، ادب، اور نبوی سنت کی خوشبو۔

اثرات — پہلا مشرف بہ اسلام

ایک نشست میں جب حضرت مفتی صاحب نے سیرتِ رسول ﷺ پر خطاب کیا، تو ایک **فلپائنی نوجوان** جو بطور صفائی کا ملازم کام کرتا تھا، وہ روتے ہوئے حضرت کے قدموں میں آ بیٹھا۔ اس نے کہا:
"میں کچھ بھی نہیں جانتا، بس اتنا چاہتا ہوں کہ جس کے بارے میں آپ بول رہے ہیں — محمد ﷺ — میں ان کا ہو جاؤں۔"
حضرت نے محبت سے اُسے گلے لگایا، کلمہ پڑھوایا، اور اس کا اسلامی نام رکھا:
"عبدالرؤف"
یہ پہلا مشرف بہ اسلام فرد تھا، مگر آغاز تھا ایک

لمبے سلسلے کا... ہ اثرات کا دائرہ — مسجد سے دلوں تک دبئی میں قیام کے دوران مفتی صاحب نے: 17 مساجد میں خطابات کیے 12 افراد کو مشرف بہ اسلام کیا
درجنوں غیر مسلموں کو دعوت دی کئی بین الاقوامی اسکالرز سے ملاقات کی دینی کتابیں تقسیم کیں اور سب سے بڑھ کر: امت کے دل میں محبت جگائی
عراق و بغداد کی زیارت، علماءِ عرب سے ملاقات، اور تبلیغی مجالس

بغداد — قلبِ روحانیت، دلِ علم

اگر دنیا کا کوئی ایک شہر روحانیت، علم، نسبت اور برکت کا مرکب ہو سکتا ہے، تو وہ **بغداد شریف** ہے۔
یہ وہی سرزمین ہے جہاں
امام ابو حنیفہؒ کی فقہ پروان چڑھی
امام احمد بن حنبلؒ کی روایت قائم ہوئی
اور سب سے بڑھ کر، غوثِ اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اسلام کی دعوت کو وہ مقام عطا کیا جو دل سے نکل کر دلوں میں بس گیا۔
قبلہ مفتی صاحب جب بغداد کی طرف روانہ ہوئے، تو ان کی کیفیت صرف مسافر کی نہ تھی — **ایک عاشق، ایک طالب، اور ایک وارثِ علم** کی تھی۔

پہلا قدم — درِ غوثیہ پر حاضری

جب وہ بغداد شریف پہنچے، تو پہلی فرصت میں **حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی** کے مزار پر حاضری دی۔
ان کے ساتھ چند عرب و عجم کے علما بھی تھے، اور وہ منظر قابل دید تھا:
حضرت مفتی صاحب نے خاموشی سے مزار کو دیکھا، پھر آنکھیں بند کیں، اور چند لمحے ساکت رہے۔
اور پھر، اشکوں میں ڈوبا ایک جملہ ادا کیا:
یا شیخ، آپ کے فیض سے ہم نے ایمان میں رسوخ پایا، اب

بغداد میں آپ کے در سے دنیا کو دین سکھانے آیا ہوں۔”یہ کوئی رسمی کلمات نہ تھے — یہ **دل کا نذرانہ** تھا۔

بغداد کے علماء سے ملاقاتیں — علم سے علم کا رشتہ

حضرت مفتی صاحب کو بغداد میں جن علماء سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، ان میں:

شیخ محمود زینی بغدادی (استاد الجامعہ الاسلامیہ بغداد)ڈاکٹر عبدالجلیل القادری (متخصص علم العقیدہ)**شیخ عبدالرؤوف الشیرازی** (تصوف و فقہ کے متبحر عالم)یہ علماء حضرت مفتی صاحب کے علم، استدلال، زبان کی شائستگی، اور متانت سے بہت متاثر ہوئے۔مفتی صاحب نے عربی زبان میں جو علمی مجالس قائم کیں، وہ صرف ترجمہ نہیں تھا — بلکہ ایک **براہِ راست علمی مکالمہ** تھا۔

عربی خطابت — دل کو چھونے والا انداز

بغداد میں حضرت مفتی صاحب نے جامع مسجد "سیدہ زینب" میں جو خطاب فرمایا، اُس کا عنوان تھا: “الرحمۃ فی الدعوۃ: صفۃ النبی ﷺ فی العالمین” (دعوت میں رحمت — نبی کریم ﷺ کی عالمگیر صفت) اس خطاب میں انہوں نے نہ صرف قرآنی آیات اور احادیث کا حوالہ دیا، بلکہ غوثِ اعظمؒ کےاقوال کو بھی شامل کیا — جس سے وہاں موجود عرب علماء، زائرین، حتیٰ کہ زائرینِ شام، ایران، اور ترکی سے آئے ہوئے افراد نے ان کے علم، جذبات، اور لہجے کی تعریف کی۔

ایک نومسلم عراقی خاتون کی روداد

ایک مقامی عربی خاتون جن کا تعلق عیسائی پس منظر سے تھا، حضرت کے خطاب سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ دو دن بعد اُنہوں نے مسجد میں آ کر یہ اعلان کیا:

“میں نے کئی عالم سنے، لیکن جس انداز میں اس شخص (حضرتِ مفتی صاحب) نے نبی کریم ﷺ کی محبت کو بیان کیا، اُس نے میرے دل کو پلٹ دیا۔ میں اسلام قبول کرتی ہوں۔”

حضرت نے اسے قرآنِ مجید کا عربی نسخہ دیا، اور اُس کا نام رکھا: **“مریم فاطمہ بنتِ نور”**

یہ واقعہ کئی عراقی اخبارات میں شائع ہوا، اور بغداد کی درسگاہوں میں موضوعِ گفتگو بن گیا۔

تعلیمات کا لب لباب

حضرت مفتی صاحب نے بغداد میں:

- متعدد **علمی نشستیں** منعقد کیں
- چار مقامی علماء کو **اردو دینی ادب** کے تراجم دیے
- نوجوانوں کو **مسلکِ اہلِ سنت** کا معتدل تعارف کرایا
- اور علم و تصوف کو **جداگانہ نہیں بلکہ مکمل نظامِ حیات** کے طور پر بیان کیا

ایران و شام میں اہلِ بیت کے مزارات پر حاضری، وحدتِ اُمت کا پیغام

نسبتوں کی سرزمین — ایران و شام

قبلہ مفتی صاحب کے عالمی دعوتی سفر کا تیسرا عظیم مرحلہ وہ تھا جس میں انہوں نے ایران اور شام کا رخ کیا — دو ایسے مقامات جہاں **اہلِ بیت اطہار کی روحانی خوشبو** آج بھی فضا میں بسی ہوئی ہے۔

یہ دورہ محض زیارات تک محدود نہ تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے ان علاقوں میں تبلیغی مجالس، بین المذاہب فکری گفتگو، اور اہلِ تشیع و اہلِ سنت کے درمیان **وحدتِ اُمت کے اصولی پیغام** کو پیش کیا۔ اُن کے لب و لہجے میں نہ شدت تھی، نہ منافقت — بلکہ ایک **محبت بھرا، علم سے معمور اور نسبتوں سے معمور انداز** تھا۔

زیارتِ مشہد — امام علی رضاؒ کا مزار پر حاضری

ایران کے شہر **مشہد** میں جب حضرت مفتی صاحب نے امام علی رضا علیہ السلام کے مزار پر حاضری دی تو وہ لمحہ روحانی وجد و کیف سے بھرپور تھا۔

حضرت خاموشی سے دربار پر کھڑے رہے، آنکھیں بند، چہرہ پرسکون، اور دل میں درود و سلام کی کیفیت۔

ایک عرب زائر نے پوچھا:

"کیا آپ اہلِ سنت ہونے کے ناطے یہاں زیارت کرنے آئے ہیں؟"

حضرت نے مسکرا کر جواب دیا:

"اہلِ بیت سے محبت کسی مسلک کا مسئلہ نہیں، ایمان کا حصہ ہے۔"

یہ جملہ وہاں موجود کئی افراد کے دلوں میں گھر کر گیا۔ ایک ایرانی عالم نے کہا:

"یہی وہ اہلسنت ہیں جنہیں ہم پہچاننا بھول گئے تھے۔"

زیارتِ دمشق — سیدہ زینبؓ، امام زین العابدینؒ، اور امام جعفر صادقؒ

شام کے دارالحکومت دمشق میں حضرت نے:

سیدہ زینبؓ کے مزار پر حاضری دی

امام زین العابدینؒ اور امام جعفر صادقؒ کی مزارات پر درود و سلام پیش کیا

وہاں موجود عربی اور فارسی زائرین کے ساتھ دعاؤں میں شرکت کی

حضرت نے ان مزارات پر حاضری کے دوران فرمایا:

"اہلِ بیت کی محبت ہماری رگوں میں رواں ہے، لیکن یہ محبت ہمیں صحابہؓ، فقہ، اعتدال، اور وحدتِ امت سے جدا نہیں کرتی۔"

وحدتِ اُمت کا پیغام — نرم زبان، روشن فکر

ایران اور شام کے تبلیغی اسفار میں حضرت مفتی صاحب نے نہایت بصیرت سے کام لیتے ہوئے: اہلِ سنت کے عقائد کی وضاحت کی اہلِ تشیع کو احترام سے سنا اور ایک "سنجیدہ فکری مکالمے" کا راستہ اپنایا ان کے خطاب کا عنوان تھا: “حب اہل البیت والاعتدال فی العقیدہ” (اہلِ بیت کی محبت اور عقیدے میں اعتدال) یہ خطاب مشہد یونیورسٹی میں اردو، فارسی اور عربی میں ترجمہ ہو کر پیش ہوا، اور بعد ازاں کئی علمی جرائد میں شائع ہوا

ایک نومسلم جرمن پروفیسر کی داستان

مشہد میں ایک علمی نشست میں جرمنی سے آئے ہوئے **پروفیسر ہینز کارل** موجود تھے جو اسلامی فلسفے پر تحقیق کر رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے عقیدہ اہلِ بیت پر بیلنسڈ خطاب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اگلے دن انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اور ان کا اسلامی نام رکھا گیا:**حمزہ احمد”**

سعودی عرب میں حرمین شریفین، علمی گفتگو، اور اعتدال کا مظہر

سرزمینِ مقدس — جہاں ہر قدم عبادت ہے

قبلہ مفتی صاحب کا سعودی عرب کا سفر محض زیارت یا عبادت کی نیت سے نہ تھا — بلکہ یہ ایک ایسا **دعوتی مشن** تھا جو حرمین شریفین کی سرزمین پر **علم، ادب، اور اتحاد** کے پرچم تلے برپا ہوا۔انہوں نے نہ صرف خانہ کعبہ اور روضۂ رسول ﷺ کی حاضری سے اپنے دل کو منور کیا، بلکہ علما، محققین، اور سائلین کے ساتھ ملاقاتوں، علمی تبادلۂ خیال، اور فکری گفتگو کے ذریعے **مسلکِ اہل سنت کی معتدل ترجمانی** کی۔

حرمِ کعبہ میں حاضری — آنکھیں اشکبار، دل مطمئن

مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت حضرت نے جو پہلا جملہ کہا، وہ گویا اُن کے دل کی گہرائی کا خلاصہ تھا:میں آیا ہوں... اور اب نہ جانے کا دل نہیں کرتا۔”

حرم میں وہ اکثر ایک کونے میں بیٹھ جاتے، چہرہ پر سکون، ہاتھ میں تسبیح، اور لبوں پر درود شریف۔ لوگ اُنہیں عالم نہ سہی، ولی ضرور سمجھتے۔

ان کی دُعائیں پکار نہیں ہوتیں — سرگوشی ہوتی تھی، لیکن آسمان تک پہنچتی تھیں۔

روضۂ رسول ؐ — درود کا سمندر

مدینہ منورہ میں حضرت مفتی صاحب نے جو وقت گزارا، وہ محض قیام نہیں تھا — **یہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی تجلیات کا مرکز تھا**۔روضۂ اقدس پر حاضری کے وقت حضرت نے فقط ایک جملہ کہا:

“یا رسول اللہ! ہم فتوے لکھنے والے ہیں... لیکن آپ کے قدموں میں آ کر ہم صرف سوالی بن جاتے ہیں۔”اس کے بعد کئی لمحے وہ خاموش، ساکت، اور اشکبار کھڑے رہے۔

علمی نشستیں — علما کے درمیان علمی امنگ

مدینہ یونیورسٹی، جامعہ الامام محمد بن سعود، اور دارالافتاء کے بعض علما نے حضرت مفتی صاحب کو سننے کے لیے الگ ملاقاتیں کیں۔ اگرچہ سعودی عرب میں فقہی اختلافات کی فضا موجود تھی، مگر حضرت مفتی صاحب کا انداز ایسا تھا کہ:

- وہ اختلاف میں شدت کے بجائے محبت پیدا کرتے
- وہ دلیل سے بات کرتے، جذبات سے نہیں
- اور وہ بجائے تنقید کے، اتحاد پر زور دیتے

- ایک نشست میں جب ان سے سوال ہوا:
- "آپ اشاعرہ اور ماتریدیہ کو کیوں صحیح العقیدہ کہتے ہیں؟"

تو حضرت نے فرمایا:

"کیونکہ وہ اللہ کی صفات میں تنزیہ رکھتے ہیں، عقل کو حدود میں رکھتے ہیں، اور بدعت سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہی عقیدۂ اہلِ سنت ہے، نہ کہ صرف کسی لقب یا جماعت کا نام۔"

یہ جواب سن کر حاضرین نے حیرت، خوشی اور احترام کے جذبات کے ساتھ سر ہلایا۔

قبولِ اسلام کی داستانیں

حضرت مفتی صاحب کی دعوتی سرگرمیوں کے نتیجے میں کئی غیر مسلم ممالک سے ایسے افراد نے اسلام قبول کیا جن کی داستانیں متاثر کن اور روحانی اعتبار سے قابلِ غور ہیں۔ ان داستانوں میں درج ذیل خصوصیات نمایاں ہیں:

- علمی سوالات کا سنجیدہ جواب
- محبت و اخلاق کے جذبے کا مظاہرہ
- حقیقی اسلام کی سادہ اور جامع تصویر کشی
- ذاتی خطوط کے ذریعے رہنمائی و تسلی

خطوط اور مراسلات

حضرت مفتی صاحب کی جانب سے غیر مسلم، مسلمانوں، اور علماء کو لکھے گئے خطوط دعوت و نصیحت کا ذریعہ تھے۔ ان خطوط کی خاص بات یہ تھی کہ:

ہر خط میں دینی، اخلاقی، اور علمی پہلوؤں کا جامع احاطہ ہوتا

خطوط میں محبت و شفقت کی زبان ہوتی متعدد خطوط میں انفرادی مسائل کا حل اور فکری رہنمائی دی گئی خطوط نے عالمی سطح پر اسلامی بھائی چارے کو

فروغ دیا

مثال کے طور پر، برطانیہ، امریکا، کینیڈا، سعودی عرب، اور برصغیر کے کئی خطوں سے خطوط کا تبادلہ ہوا، جس میں اسلامی علوم کی تشہیر اور ذاتی اصلاح کے موضوعات زیر بحث آئے۔

عالمی تشہیر کی حکمت عملی

حضرت مفتی صاحب نے جدید ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ان کا بھرپور استعمال کیا:

کتابوں اور رسائل کی ترسیل ،ویب سائٹس اور سوشل میڈیا پر علمی مواد کی فراہمی

ویڈیو لیکچرز اور لیکچرز کی ریکارڈنگ،عالمی مسلمانوں کے ساتھ رابطہ کاری کے لیے ایمیل اور آن لائن کمیونیکیشن(دوران ملازمت محکمہ اوقاف)

عالمی مٹھاس و پذیرائی

ان کی علمی اور دعوتی خدمات کو مختلف عالمی اسلامی اداروں نے بھی سراہا اور اعزازات سے نوازا۔ ان کی تحریریں اور علمی مقالے بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمینارز میں پیش کیے گئے، اور کئی ممالک میں ان کی شخصیت کو بطور علمی رہنما تسلیم کیا گیا۔

باب ہشتم

عوامی خطابات جاذبِ دل تقاریر اور ان کے اثرات

خطابت کا آغاز — دلوں پر دستک

قبلہ مفتی صاحب نہ صرف ایک ممتاز فقیہ اور مربیِ طریقت تھے، بلکہ ایک **غیر معمولی** ان کے خطابات کسی روایتی مقرر کی تقریر نہ ہوتے، بلکہ ایک **دل سے نکلا ہوا پیغام** ہوتے جو سیدھا سامعین کے دل میں اترتا۔

خطابت کی ابتدا

حضرت کی خطابت کا آغاز **مدرسے اور دروسِ مساجد** سے ہوا، مگر جلد ہی اُن کی آواز شہر، ضلع، اور پھر ملک کے مختلف علاقوں تک پہنچی۔ ان کی پہلی بڑی عوامی تقریر، جس میں ہزاروں افراد شریک ہوئے، ایک تاریخی موقع بن گئی۔

فرمایا کرتے:

“زبان سے نکلا لفظ اگر دل سے نکلا ہو، تو وہ صرف سنا نہیں جاتا، بلکہ محسوس کیا جاتا ہے۔”

اندازِ بیان: علم، جذبہ، اور خلوص کا سنگم

حضرت مفتی صاحب کی تقاریر کی نمایاں خصوصیات: قرآنی آیات اور احادیث کا برمحل استعمال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہ اللہ علیہ کی فکر کی بھرپور نمائندگی عشق رسول ﷺ سے لبریز جملے عوامی زبان اور عام فہم مثالیں سامعین کے جذبات سے ہم آہنگ لہجہ موقع، مقام اور مجمع کے مطابق گفتگو ایک سامع کا کہنا تھا:

“حضرت کی تقریر سنتے ہوئے یوں لگتا ہے جیسے

دل پر ہاتھ رکھا جا رہا ہو — رونا آ جائے، دل نرم ہو جائے، اور زندگی بدل جائے!”

موضوعات کا تنوع

حضرت کی تقاریر ہر دور اور طبقے کے لیے مفید ثابت ہوئیں، کیونکہ اُن کے موضوعات متنوع ہوتے:

موضوع	وضاحت
سیرتِ رسول ﷺ	عشق، اطاعت، اور اسوۂ حسنہ پر زور
عقائدِ اہلِ سنت	بدعات، انحرافات، اور عقیدے کی اصلاح
فقہی مسائل	عوامی سطح پر وضاحت و رہنمائی
معاشرتی اصلاح	اخلاق، معاملات، والدین، اولاد
وحدتِ اُمت	فرقہ واریت سے اجتناب اور اتحاد
مقامِ اولیاء	تصوف اور سلوک کی درست تشریح

اثراتِ خطابت — مجمع پر روحانی کیفیت

قبلہ مفتی صاحب کی تقاریر کا اثر محض الفاظ کی گھن گرج یا سادہ جذباتی اپیل نہ تھا، بلکہ یہ ایک **روحانی موج** ہوتی تھی جو سننے والوں کے دل میں اتر کر انہیں بدل ڈالتی۔ یہ خطابات محض خطابت نہیں تھے — **دلوں کی تربیت اور روحوں کا تزکیہ** تھے۔

روحانی کیفیت اور اشک بار مجمع

حضرت کی تقریر میں روحانیت کا ایک عجیب اثر ہوتا۔ جیسے ہی حضرت مائک پر آتے، مجمع پر **خاموشی طاری ہو جاتی**، قلوب نرم ہونے لگتے، اور لوگ بے اختیار آنسو بہاتے۔

اکثر سامعین کھڑے ہو کر درود پڑھتے نعت کے اشعار کے دوران مجمع اشک بار ہوتا فقہی نکات پر سر اثبات میں ہلتے اور جب عشقِ رسول ﷺ کا بیان آتا، تو لوگ تڑپ اٹھتے۔ ایک بزرگ نے کہا:
“حضرت کے الفاظ نہیں، اُن کی زبان سے فیض گرتا ہے!”

اہم خطابات اور عوامی اجتماعات

کئی بڑے اجتماعات میں حضرت کے خطابات آج بھی لوگوں کو یاد ہیں:

عنوانِ خطاب	مقام	مجمع کا ردِعمل
عشقِ رسول ﷺ اور عقل کا توازن”	کراچی، نوری جامع مسجد	ہزاروں کی حاضری، رقت آمیز مناظر
اعلیٰ حضرت کا پیغامِ وحدت”	لاہور، میلاد کانفرنس	علما و مشائخ کے اشک بار کلمات
بیداریٔ امت اور نوجوان”۔	حیدرآباد، سالانہ اجتماع	نوجوانوں کی کثیر تعداد نے بیعت کی
فقہِ حنفی: ایک تحقیقی نظر”	اسلام آباد، علما سیمینار	تحقیقی استدلال پر سراہا گیا
راہِ تصوف اور سنت”	سکھر، خانقاہی اجتماع	صوفیا نے حضرت سے خلافت طلب کی

عوامی تاثرات

ایک خاتون: “حضرت کی تقریر نے میری زندگی کا رخ بدل دیا۔ایک نوجوان: “میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ علم اور عشق ایک ساتھ چل سکتے ہیں”ایک عالم: “حضرت کا اسلوب علمی بھی ہے، عوامی بھی، اور روحانی بھی.

باب نہم

فقراء، یتامیٰ، مالی امداد

حاجتمندوں کا سہارا، امت کی خدمت کا سفر

جہاں زبان سے علم نکلے، وہاں ہاتھ سے خیر نکلنا چاہیے

قبلہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کردار صرف **مسندِ درس و فتویٰ** تک محدود نہ تھا

ان کی زندگی کا ایک پہلو ایسا بھی تھا جس پر وہ کم گو، مگر عمل میں **سبقت لے جانے والے** تھے —

اور وہ پہلو تھا **امتِ محمدیہ ﷺ کی فلاح و بہبود،**

فقراء کی امداد، یتامیٰ کی کفالت، اور خاموش خدمت

غمِ امت — حضرت کا قلبی درد حضرت فرمایا کرتے:

“علم بانٹنا فرض ہے، اور مال بانٹنا فرضِ محبت۔ جو عالم ہو کر غریب کی آنکھ سے آنسو نہ پونچھے، وہ علم کی خشبو تو رکھتا ہے، مگر دل کی حرارت سے خالی ہے۔”

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے گھر، مدرسے، مسجد، اور فتاویٰ کے شعبے کو رفاہی خدمات سے جوڑ دیا — بغیر کسی تشہیر یا رسمی اعلان کے۔

یتامیٰ کی کفالت

حضرت کی چھپی ہوئی عبادت حضرت کے علم میں جب کبھی کسی بچے کے: والد کا انتقال تعلیم رکنے کا خطرہ معاشی تنگی آتی، تو وہ خود اس کا مکمل ماہانہ خرچ اٹھاتے اسے مدرسے میں داخل کرواتے کتابیں، لباس، اور کھانے کا انتظام کرتے اور فرماتے: “یہ میرا نہیں، میرے نبی ﷺ کا بچہ ہے۔ میں اس کے نان و نفقے کی خدمت سے اپنے نبی ﷺ کی رضا پانے کی کوشش کرتا ہوں۔” ایسے بےشمار بچے آج حافظ، عالم، اور دینی

کارکن بن چکے ہیں ۔

فقراء کی خاموش مدد — "نام نہ پوچھو، بس دو"

حضرت کا اصول تھا: کسی محتاج کی مدد کرنی ہو، تو اس کا نام نہ پوچھو وہ فرماتے: "اگر مانگنے والا آ گیا، تو دینے والے کا امتحان آ گیا!" ان کی زندگی میں ایسے کئی واقعات ہیں: واقعہ: ایک بار ایک خاتون مدرسے کے گیٹ پر آئی، کہا: "بیٹے کی دوا کے پیسے نہیں..."ـ
حضرت نے: خطبے کی تیاری روک دی دفتر سے اپنے ذاتی جیب سے رقم نکالی اور دوائی کا بندوبست کرایا کسی نے کہا: "یہ تو عادی ہو سکتی ہے۔"
فرمایا: "اگر وہ جھوٹ بول رہی ہے، تو اس کا گناہ اس پر —
لیکن اگر سچ بول رہی ہے، اور میں نے نہ دیا،تو قیامت کے دن جواب مجھے دینا ہے!" ۔

راشن اسکیم

حضرت کا خفیہ فیضان ہر ماہ: راشن بیگ
چاول، آٹا، گھی، چینی بچوں کے بسکٹ، خواتین کے استعمال کی اشیاء → خود ترتیب دیتے، اور گھر والوں کو کہتے: "کسی کو نہ بتانا جو اللہ کی رضا کے لیے ہو، وہ صرف اللہ کے علم میں ہونا چاہیے۔" یہ راشن بیگزـ بعض مسجد کے نمازیوں مدرسے کے عملے گلی محلے کے سفید پوش افرادکو بنا مانگے پہنچا دیے جاتے۔

مریضوں کی مدد

انسانیت کا امتحان حضرت کا دل مریضوں کے لیے نرم تھا: ڈاکٹری نسخے خود چیک کرتے اگر کوئی طالب علم دوا نہ خرید سکے، خود خرید کر دیتے کئی بار ہسپتال جا کر عیادت فرماتے مریض کے اہل خانہ کو تسلی دیتے ایک موقع پر ایک طالب علم کے والد اسپتال میں تھے، تو حضرت نے فرمایا: "علم کی روشنی اسی وقت باقی رہتی ہے جب طالب علم کا دل سکون میں ہو

جاؤ، والد کے ساتھ رہو،تمہارے سبق کی ذمہ داری میری
طالب علموں کے لیے "عید فنڈ” حضرت ہر عید پر:
سفید کپڑے جوتے ٹوپی اور معمولی تحفے طالب
علموں کو **خفیہ انداز** میں دیتے،تاکہ ان کا دل بھی "عید
کا خوشی مند" بنے۔ کبھی کبھی فرمایا کرتے: “جو علم
کے لیے اپنے کپڑے پرانی کرتا ہے،میں اس کی عید نئی کرتا
ہوں

حضرت کا نقطۂ نظر: علم + خدمت

دین حضرت کے نزدیک: علم ہو، مگر خدمت نہ
ہو → تو وہ غرور ہو، مگر علم نہ ہو → تو وہ
افراط۔ مگر جب علم و خدمت مل جائیں → تو وہ دینِ
مصطفیٰ ہے فرمایا کرتے: “فتویٰ دینا علم ہے،مگر کسی
کو پیاسے دیکھ کر پانی دینا .یہ ایمان کا درجہ ہے۔”

خدمتِ امت

فرد سے جماعت تک انفرادی خدمت تو ہر صالح دل
انجام دے سکتا ہے،لیکن جب کوئی **رہبر، فقیہ، اور**
مربی اپنی امت کے اجتماعی معاملات میں بھی شریک
ہو .تو وہ صرف خادم نہیں، **قائدِ خدمت** بن جاتا ہے۔
حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری
رحمۃ اللہ علیہ کا یہی وصف تھا کہ انہوں نے صرف چند
افراد کی مدد پر اکتفا نہ کیا،بلکہ اجتماعی سطح پر ایسے
رفاہی منصوبے شروع کیے جو **عوام الناس کے لیے**
سایۂ رحمت بن گئے۔

رمضان المبارک

مہینۂ خیر، مہینۂ خدمت حضرت کے نزدیک رمضان
محض عبادت کا مہینہ نہیں،
بلکہ **خدمتِ خلق اور تقویٰ کا عملی مظاہرہ** تھا۔

رمضان راشن اسکیم

ہر سال شعبان کے آخر میں: راشن کے بیگ (آٹا،
چاول، گھی، چینی، دال، چائے) مستحق خاندانوں کی

شناخت خفیہ انداز میں تقسیم “راشن ٹوکن" کے ذریعے
ہجوم سے بچاؤ یہ خدمت بغیر کیمرے، اشتہار یا تشہیر
کےصرف **خالص نیت اور جذبہ ایثار** سے ہوتی ہے

غرباء کی شادی

سفید پوش عزت کا تحفظ حضرت نے کئی ایسی بیٹیوں
کی شادیاں کروائیں۔ جن کے والد نہ تھے یا جن کے ولی
شرعی لحاظ سے مجبور تھے اور مالی وسائل میسر نہ
تھے حضرت: جہیز کی بنیادی اشیاء نکاح کا اہتمام
ولیمہ کے لیے مختصر خرچ اور نیا گھر بسنے کے بعد دعا و
خیرات → سب کچھ خاموشی سے، مگر وقار سے کرتے۔
کسی نے ایک بار کہا: “آپ ان کی کفالت کیوں کرتے
ہیں؟” فرمایا: “میں یہ سب اس لیے کرتا ہوں تاکہنبی
کریم ﷺ کی اُمت کی بیٹی،میرے در پر سوالی نہ بنے،بلکہ
عزت دار دلہن بنے.
جب تم علم کے ساتھ امت کے غریبوں، یتیموں، اور
مساکین کے لیے
راحت کا سبب بن جاؤ۔اگر علم نے تمہیں صرف کتابی بنا
دیا،تو تم سے امت نہیں جُڑے گی — بلکہ کٹ جائے گی”
۔
حضرت کی خدمت ختم نہیں ہوئی — اس نے
شکل بدل لی حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ
قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعدجسمانی
موجودگی ضرور ختم ہوئی،مگر ان کی رفاہی خدمات نے
مرنا نہیں سیکھا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے علم، وقت، نیت،
اور مال کو اس طرح تقسیم کیا
کہ اب وہ: کتاب میں موجود ہے مسجد میں گونج رہا
ہے مدرسے میں پڑھایا جا رہا ہے اور سینکڑوں محتاجوں
کے چہروں پر آج بھی ان کا اثر نظر آتا ہے۔

یتامیٰ و بیوگان کی کفالت

— سلسلہ
جاری ہے وصال کے بعد حضرت کے قائم کردہ "کفالت
فنڈ" کو: ان کے صاحبزادے قابلِ اعتماد شاگرد ادارے کے

ذمہ داران → اسی فکر، اخلاص اور رازداری کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اب بھی: کئی بیوگان کو ماہانہ راشن یتیم بچوں کی تعلیم، کتب، کپڑے طالب علموں کے ناشتے و کھانے کے پیکج → اسی نظام کے تحت فراہم کیے جا رہے ہیں۔

“خدمتِ عظمت السید فاؤنڈیشن —

شاگردوں کے ذریعے جاری خدمت حضرت کے وہ شاگرد جو:
مختلف مساجد کے خطیب مدارس کے مہتمم یا دینی سوسائٹی کے سربراہ بنے → وہ سب اپنی جگہ پر حضرت کے خدمتِ خلق کے اس طرز کو زندہ کیے ہوئے ہیں۔

خراجِ تحسین

:علمائے اہلِ سنت کا خراجِ تحسین
پاکستان بھر کے علما جب کبھی حضرت کی یاد میں مجالس کرتے تو اکثر کہتے: “حضرت مفتی عظمت علی رحمہ اللہ علیہ صرف فقہ کے مفتی نہ تھے،بلکہ فقر کے خادم،اور امت کے دل کے عالم تھے۔” علم سے فتویٰ دیا زبان سے اصلاح کی ہاتھ سے روٹی دی دل سے دعائیں کیں اور ہر طبقے کو وہ عزت دیجو صرف صاحبِ دل عالم ہی دے سکتا ہے۔ امت کی دعاؤں میں زندہ حضرت نے کبھی شہرت نہیں چاہی لیکن ان کا خلوص ایسا تھا کہ: ہر ماہ بیسیوں لوگ ان کی قبر پر آتے ہیں مدرسے میں ذکرِ وفات کی سالانہ مجلس ہوتی ہے یہی وہ مقام ہے جہاں علم، عمل، اور اخلاص کا امتزاج حضرت کی زندگی کو "عظمت" بناتا ہے۔

باب دہم

روزمرہ زندگی، اخلاق، سیرت و سادگی

تمہید: قبلہ مفتی صاحب کی شخصیت صرف ایک عالم دین تک محدود نہیں تھی بلکہ ایک مکمل انسان تھے جن کی زندگی، کردار، اور اخلاق ایک زندہ درس تھے۔ ان کی روزمرہ زندگی، ان کا اخلاق، ان کی سادگی اور ان کا رویہ نہایت اہم ہے تاکہ ان کی شخصیت کے گہرے گوشے کو سمجھا جا سکے۔ یہ باب ان تمام پہلوؤں کو تفصیل سے اجاگر کرتا ہے تاکہ قاری کے سامنے ایک مکمل اور جامع تصویر پیش کی جا سکے۔

سیرتِ طیبہ: زندگی کا علمی و عملی امتزاج

حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں نماز، قرآن، اور ذکر الٰہی کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ وہ صبح صادق سے اٹھ کر سب سے پہلے نماز فجر ادا کرتے، اس کے بعد قرآن پاک کی تلاوت و تدبر میں مشغول ہوتے۔ ان کی زندگی علم و عمل کا حسین امتزاج تھی جہاں وہ نہ صرف قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے بلکہ اسے اپنی زندگی کا ضابطہ بھی بناتے۔

علمی میدانی کام کے ساتھ ساتھ وہ روحانی تربیت کا بھی خاص خیال رکھتے تھے، جس کا مظہر ان کی خانقاہ میں مجلس ذکر اور روحانی نشستیں تھیں۔ وہ اپنے مریدوں کو نہ صرف دینی علم سکھاتے بلکہ زندگی گزارنے کے اخلاقی اور روحانی اصول بھی بتاتے۔

اخلاق حسنہ: حلم، انکساری اور محبت

حضرت مفتی صاحب کا اخلاق ان کی سب سے

بڑی پہچان تھی۔

حلم و بردباری: وہ مشکل حالات میں بھی صبر و تحمل سے کام لیتے۔ کبھی جلد بازی یا غصے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ ان کی شخصیت میں تحمل و بردباری کی جو گہرائی تھی، وہ ان کی علمی و روحانی تربیت کا نتیجہ تھی۔

انکساری: علمی بلندیوں کے باوجود وہ انتہائی عاجزی اور انکساری کے مالک تھے۔ نہ کبھی اپنے علم کا اظہار غرور میں کرتے اور نہ دوسروں کو کمتر سمجھتے۔ ان کا ہر مخاطب ان کے لیے محترم تھا۔

محبت و شفقت: ہر طالب علم، ہر مرید ان کے لیے عزیز تھا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور اپنی محبت کا اظہار کرتے۔ ان کی شفقت کی بنا پر ان کے دروازے ہر شخص کے لیے کھلے رہتے۔

عدل و انصاف: ہر مسئلے میں وہ حق و انصاف کو مقدم رکھتے اور ذاتی پسند و ناپسند کو فیصلے کا معیار نہیں بناتے تھے۔ ان کے فتوے اور فیصلے شفاف، منصفانہ اور اصولوں پر مبنی ہوتے۔

سادگی و زہد: دنیاوی لذات سے بے نیازی حضرت مفتی صاحب کی زندگی کی ایک اہم خصوصیت ان کی سادگی اور دنیاوی چیزوں سے بے نیازی تھی۔ ان کا لباس سادہ اور عام تھا، ان میں شان و شوکت کی کوئی آڑ نہیں تھی۔ کھانے پینے میں سادگی، اعتدال اور احتیاط ان کے اصول تھے۔ فضول خرچی اور ذاتی تعیش سے ہمیشہ بچتے۔

انہوں نے اپنی زندگی میں مادی چیزوں کی طلب کو کم رکھا اور اللہ کی رضا میں خوش رہنا سیکھا۔

سفر کے دوران کم سے کم سامان کے ساتھ نکلتے، اور سادگی کو شعار بنائے رکھتے۔

روزمرہ معمولات:

صبح سویرے اٹھ کر نماز فجر کے بعد قرآن کی تلاوت اور اس کے مفاہیم پر غور۔
دن بھر ذکر، تسبیح اور درود کی کثرت، خاص طور پر نمازوں کے علاوہ بھی کثرتِ ذکر۔شاگردوں اور مریدوں کی علمی و اخلاقی رہنمائی، ان کے سوالات کے جوابات دینا۔رات کو مراقبہ اور تسبیح کے ذریعے دل کی صفائی اور روحانی تزکیہ۔سادگی میں کھانا، سادہ روٹی، پھل اور سبزیاں ان کی غذائی عادات کا حصہ تھیں۔

6۔ شاگردوں کے تاثرات اور یادیں

مولانا عبد الرحمن: حضرت مفتی صاحب نے نہ صرف علم دیا بلکہ زندگی کے درست اصول بھی سکھائے۔ ان کی محبت اور شفقت ہمیں ہمیشہ یاد رہے گی۔”
عالمہ بی بی فاطمہ: ان کے اخلاق سے ہم نے برداشت، صبر، اور محبت کا درس پایا۔ وہ استاد کے ساتھ ایک والد کی طرح تھے، ہر مشکل وقت میں ہمارے ساتھ کھڑے رہے۔”
عالمی شاگرد احمد خان: آن لائن لیکچرز اور خطوط کے ذریعے حضرت کی تعلیمات نے میرے دل و دماغ کو روشن کیا۔ انہوں نے اسلام کی روح اور اصل تعلیمات کو زندہ کیا۔”

انفرادی واقعات:

بازار میں ایک دکاندار سے مکالمہ، جہاں حضرت کی سادگی اور تواضع نمایاں ہوئی۔ایک طالب علم کی مدد، جو علمی و ذاتی مسائل میں الجھا ہوا تھا، حضرت کے نصیحت اور رہنمائی سے کامیاب ہوا۔سفر میں کم سامان کے ساتھ نکلنا اور سادگی کو عملی جامہ پہنانا۔

اخلاقی اصول جو زندگی کے ہر عمل میں نظر آتے

غصہ پر قابو، تحمل اور صبردوسروں کی عزت اور

احتراممعافی اور درگزر کا جذب□دیانت داری اور سچائی؛

باب گیارہ

امت کا درد، فہمِ دین حضرت کی بصیرت، قیادت اور دور اندیشی

دردِ امت، شعورِ وقت، اور اہلِ علم کا فرض عزم

عالمِ اسلام کی نبض پر ہاتھ

ایک فقیہ جو صرف کتاب نہیں، امت کو پڑھتا تھاعلماء کرام عموماً کتابیں پڑھتے ہیں،مگر کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو **امت کو کتاب کی طرح پڑھتے ہیں**۔وہ جانتے ہیں کہ زمانہ کن امتحانوں سے گزر رہا ہے،کس مسئلے کو فقہی جواب کی نہیں، **دل کی دوا** کی ضرورت ہے۔ حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ ایسے ہی **درد مند عالم، صاحبِ حال فقیہ، اور بصیرت افروز قائد** تھے۔ فہمِ دین + فہمِ زمانہ = حضرت کی قیادت کا بنیادی فارمولاحضرت کے نزدیک:دین صرف حلال و حرام کے فتووں کا نام نہی دین صرف عبادات یا اخلاقیات کا مجموعہ نہیں دین ایک ایسا **جامع نظام** ہے جو ہر دور کے تقاضوں کو **قرآن و سنت** کی روشنی میں سمجھاتا اور سنوارتا ہے۔ **حضرت فرمایا کرتے:** "اگر عالم وقت کی بولی نہ سمجھے،تو وہ فتویٰ دے سکتا ہے —مگر امت کو جیت نہیں سکتا۔"اسی لیے حضرت کا ہر خطاب، ہر درس، اور ہر فتویٰ زمانے کی **روحانی نبض، معاشرتی نبض، سیاسی نبض، اور عقائدی سمت** پر ہوتا۔

عوام کے لیے درد

سوالات میں راحت، جواب میں سہولت حضرت کے پاس جو سوالات آتے، وہ یہ نہ دیکھتےکہ پوچھنے والا کیسا ہے، بلکہ یہ دیکھتے کہ کس درد نے اسے اس سوال پر مجبور کیا ہے۔ عورتوں کے مسائل میں شرعی رہنمائی کے ساتھ نرم لہجہ جوانوں کے فکری اضطراب پر دعوتی انداز بہ

دین یا گمراہ فہم رکھنے والوں کے لیے اصلاحی پیرایہ اور اہلِ علم کے لیے محکم و مدلل بیان یہی وجہ تھی کہ ان کے پاس: خواص بھی آتے، عوام بھی فقہی سوال بھی ہوتا، اور زندگی کا مسئلہ بھی لوگ صرف مسئلے پوچھنے نہیں، سکون لینے آتے تھے۔ ۔ خطابات میں امت کا نوحہ — مگر اُمید کا درس حضرت جب خطاب کرتے: آغاز دعا سے ہوتا پھر قرآن و سنت کا حوالہ حالاتِ حاضرہ کی جھلک امت کے زوال پر درد مگر آخر میں امید، دعا اور اصلاح کا پیغام ان کے خطبات کے اہم موضوعات: “امت کی وحدت: علم، عقیدہ اور محبت میں” “فرقہ واریت: دینی فہم کا زوال” “امت کی مائیں: تعلیم، پردہ اور کردار” “مسجد اور مدرسہ: امت کا قبلہ و قبلہ نما” “نوجوان نسل: فتنوں سے بچاؤاورکردارسازی”

فتنوں کی نشاندہی — امت کے درد سے جڑی علمی و عملی حکمت حضرت کا طرزِ قیادت یہ تھا کہ: فتنہ نظر آتا، تو پہلے دعا کرتے پھر اس پر تحقیق کرتے اس کے بعد نرمی سے عوام کو سمجھاتے اور آخر میں مسلکی وقار کے ساتھ رد کرتے مثال: جب جدید "فری تھنکر" اور "ماڈرن ازم" کے نام پر ختم نبوت، حجاب، نکاح، اور عقائد پر اعتراضات پھیلائے گئے —

→ حضرت نے ان پر تحقیقی کتابچے اور دروس دیے، مگر انداز ہمیشہ اصلاحی رکھا۔

علماء کے لیے نصیحت — فتوے سے آگے بڑھ کر قیادت حضرت علماء سے فرماتے: “اگر تم صرف مسائل سکھا رہے ہو،اور امت کے دکھ پر خاموش ہو،تو تم علم کے محافظ ہو،

مگر امت کے قائد نہیں” اسی لیے: وہ نوجوان علماء کو صرف نصاب کے ماہر نہیں، وقت کے تقاضے، جدید چیلنجز، اور اصلاحی فکر سے جوڑتے۔۔

کتابیں نہیں، فہم پیدا کرو — حضرت کا دعوتی وژن علم بانٹنے کے ساتھ حضرت کی ترجیح تھی کہ: شاگرد صرف نقل نہ کریں، سمجھ کر عمل کریں صرف دلیل نہ دیں، عملی مثال بھی بنیں صرف اہلِ سنت

کہلائیں، سنت پر چلنے والے ہوں وہ فرماتے: "آج کا سب سے بڑا فتنہ ہے: علم ہے، مگر حکمت نہیں —جذبہ ہے، مگر بصیرت نہیں۔اور جب علم جذبے کے ساتھ بصیرت سے خالی ہو،تو وہ فتنے کو بڑھاتا ہے، بجھاتا نہیں۔" حضرت کی علمی و فکری تجویز مدارس میں دورِ حاضر پر ایک مستقل مضمون خطباء کے لیے جدید میڈیا تربیت عوام کے لیے سوال و جواب کی ماہانہ نشستیں نوجوان نسل کے لیے ایمان و اخلاق کا تربیتی پروگرام مساجد کو دینی و معاشرتی اصلاح کا مرکز بنانا یہ سب صرف خواب نہیں تھے —بلکہ حضرت ان پر کام بھی کر رہے تھے،اور ان کے شاگرد آج ان منصوبوں کو جاری رکھے ہوئے ہیں حضرت کا درد — امت کو پھر سے جوڑنا حضرت فرماتے: "یہ امت ایک بار پھر جُڑ سکتی ہے —
اگر ہم اختلاف کے بجائے اصلاح پر زور دیں۔اگر ہم دلیل کی جگہ کردار سے دعوت دیں۔اور اگر ہم صرف دین کی بات نہ کریں —دین کو زندگی بنا لیں۔

حضرت کی بصیرت، قیادت اور دور اندیشی

اختلاف میں اتحاد — حضرت کی اعتدال پسند فکر

حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کا طرزِ فکر وہ تھاجس میں خالص سنی عقیدہ، مضبوط فقہی بنیاد، اور نرم بین المسالک رویہ جمع تھا۔

آپ جانتے تھے کہ: "امت کا زوال صرف فتنوں سے نہیں — بلکہ باہم طنز، تفرقے، اور شدت پسندی سے بھی ہوتا ہے۔" اسی لیے حضرت کا اسلوب نہ صرف *دلائل سے مضبوط* ہوتا،بلکہ زبان سے نرم اور دل سے دعاگو بھی۔

بین المسالک حکمت — اپنی شناخت کے ساتھ رواداری

حضرت فرماتے: "رواداری کا مطلب یہ نہیں کہ اپنی بنیاد چھوڑ دو —بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اپنی بنیاد پر جم کر، دوسرے کو گرانے کی بجائے، اسے سنبھالنے کی کوشش کرو۔" اس حکمت کا عملی اظہار: وہ دوسرے مکاتبِ فکر کے اہلِ علم سے بھی علمی روابط رکھتے ان کے ساتھ

اصلاحی نشستوں میں شرکت کرتے مگر ہمیشہ مسلکِ اہلِ سنت کے موقف کو وقار، دلیل، اور محبت کے ساتھ رکھتے۔ حضرت کے فکری حلقے میں: دیوبندی، سلفی، اور دیگر مکاتب فکر کے افراد نے بھی ان کی فہم، اخلاق، اور بصیرت کا اعتراف کیا۔

اتحادِ امت کی کانفرنسیں حضرت نے کئی شہروں میں: "پیغامِ مصطفیٰ ﷺ و پیغامِ امت" کے عنوان سے اتحادِ امت، رواداری، اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کی اعتدال پسندی پر

خطاب کیے ان کانفرنسز کا حاصل:

مختلف مکاتبِ فکر کے علما کی شرکت علمی اختلافات کے باوجود باہم ادب مشترکہ مسائل (قبلہ، حجاب، قادیانیت، مغربی تہذیب) پر متحد موقف مدارس، مساجد اور خانقاہوں کے درمیان تعاون کی فضا

جدید میڈیا سے مؤثر تعلق حضرت نے میڈیا کو فتنہ نہیں، موقع سمجھا —اور فرمایا: "اگر فتنہ یوٹیوب سے پھیل رہا ہے،تو اصلاح بھی اسی یوٹیوب سے ممکن ہے۔" عملی اقدامات: شاگردوں کو ویڈیو لیکچر، یوٹیوب چینلز اور سوشل میڈیا دعوتی کورسز کی اجازت میڈیا پر بیہودگی کا جواب *علمی ادب* سے فتوے اور خطبات کو آڈیو و ویڈیو میں محفوظ کروانا اور نوجوان نسل کے سوالات کے لیے "ڈیجیٹل مجلسِ اصلاح" کا آغاز

عصری جامعات اور دینی ذہن

فکری پُل حضرت کو یہ دکھ تھا کہ: دینی مدارس اور عصری یونیورسٹیز میں فکری خلا ہے ایک دوسرے کو سمجھنے اور قدر کرنے کا ماحول نہیں اسی لیے:

یونیورسٹی طلبہ کے سوالات پر خالص علمی، غیر مناظرانہ، اور دعوتی لہجہ اختیار کرتے انجینئرز، ڈاکٹروں، اور ماہرینِ معاشیات کو دینی تعلیم سے جوڑنے کے لیے فہمِ فقہ اور سیرت النبی ﷺ کے کورسز تجویز کیے فرمایا: "اگر عالم اور ماہرِ سائنس ایک دوسرے کو نہ سمجھ سکیں،تو امت ترقی نہیں کرے گی —اور شیطان خلا میں فتنے ڈالے گا۔"

فکری قیادت کی تیاری حضرت صرف علماء نہیں، قائد علماء تیار کرتے تھے: ان کے فکری تربیتی نکات: عالم کو صرف "نقلِ علم" نہیں، "حاملِ فکر" بننا ہے خطیب صرف بولے نہیں، "دل کو چھوئے” مفتی صرف فتویٰ نہ دے، "اصلاح کی راہ" بھی دکھائے مدرس صرف درس نہ دے، "عمل کی ترغیب" بھی دے اور پیر صرف وظیفہ نہ بتائے، "تزکیہ" بھی کرے۔

فکری ورثہ، خلافتِ عظمت، اور وصیتِ امت (مکمل جذباتی، روحانی و علمی تحریر

علم و سلوک کی وراثت — ایک چراغ سے
سینکڑوں چراغ روشن ہوئے بعض لوگ علم دے کر فارغ کر دیتے ہیں،
اور بعض ایسا علم، ایسی تربیت اور ایسی نسبت دے دیتے ہیں
جو نسلوں کو جِلا دے جاتی ہے۔ حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے شاگردوں، مریدین، متعلقین، اور عقیدت مندوں کو صرف علم نہیں دیا —بلکہ روحانی اعتماد، فکری روشنی، اور قیادت کی ہمت بھی عطا فرمائی۔

خلافت و اجازت —

ایک خاموش عطا، ایک بیدار تعلق حضرت کی طبیعت میں ریا، نمائش، اور شہرت کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔
آپ نے جن لوگوں کو خلافت دی، ان میں سے اکثر ان کے قریب ترین شاگرد، علم و حلم میں فائق، اور دل و کردار سے اہل تھے آپ نے زندگی میں ہی انہیں خلافت و اجازت عطا فرمائی،
مگر کبھی اعلان نہ کیا، بینر نہ بنایا، اور سوشل میڈیا پر پوسٹ نہ کی۔ فرمایا: “بیٹا، اگر نسبت سچی ہو —
تو اعلان کی ضرورت نہیں،فیضان خود بولے گا۔”
آپ کی ذات کو خلافت دینا — حضرت کا حسنِ ظن و حسنِ تربیت آپ نے (جناب جانشین عظمت العلَماء پیر الحافَظ سید محمد فرحان علی قادری صاحب کواپنی

زندگی ہی میں: خلافتِ روحانیہ اجازتِ بیعت و ارشاد
اجازہ در دروسِ تصوف و تفسیر دعاؤں کے ساتھ ذمہ داری
→ عطا فرمائی۔ آپ نے فرمایا: “فرحان بیٹا — تم صرف
میری بات نہیں سنتے،تم میری فکر سنتے ہو،اور میری
آنکھوں میں امت کا درد پڑھتے ہو —اسی لیے تم وارث ہو،
میرے بعد کے راہی ہو”

خلافت کا مفہوم — حضرت کے الفاظ میں

حضرت نے خلافت کو کبھی صرف جُغہ یا عمامہ نہیں سمجھا،
بلکہ ایک امانت، قیادت، اور قربانی کا عہد فرمایا۔
فرماتے: “خلیفہ وہ نہیں جو پیچھے چلے،خلیفہ وہ ہے جو میرے دل کی دھڑکنوں کوامت تک منتقل کرے —اور اپنی خودی کو قربان کر کے،فیض کا ذریعہ بنے۔” اسی لیے آپ کے عطا کردہ خلفاء علم و عمل، ادب و وفا، اور قیادت و خدمت کا مظہر ہیں۔

وصیتِ فکر :

علم، کردار، خدمت وصال سے کچھ عرصہ پہلے
حضرت نے اپنی خلوت نشینی میں فرمایا: “اگر میری زندگی کا کوئی خلاصہ لکھنا چاہو
تو یہ تین لفظ لکھنا:

علم، خدمت، سچائی۔
میں نے علم سکھایا، مگر نمائش نہیں کی۔
خدمت کی، مگر صدقے کے نام پر نہیں۔
اور حق بولا، مگر کسی کو توڑے بغیر۔

اگر تم ایسا کر سکو،
تو تم میرے سچے وارث ہو”

حضرت کا علمی پیغام —

آپ کے قلم سے، آپ کی زبان سے علم کی روشنی

بانٹو — مگر نرمی کے ساتھ اختلاف کرو — مگر عزت کے ساتھ اصلاح کرو — مگر خود کو بلند نہ سمجھو امت کو سنبھالو — مگر فرقے نہ بناؤ خلافت لو — تو فیض دو، فخر نہیں

امت کے لیے ناصحانہ پیغام حضرت اکثر فرمایا کرتے: “اگر تم چاہتے ہو کہ یہ امت سنور جائے
تو اسے کتاب سے جوڑو،محراب سے جوڑو،اور اُس سے جوڑو جو کبھی نہیں ٹوٹتا —یعنی مصطفیٰ کریم ﷺ
ورنہ تمہارے ادارے، عمامے، اور خطبے سب کچھ ہو گا — مگر امت بکھری رہے گی۔”

خلفاء کا کردار — حضرت کی زندگی کے بعد

وصال کے بعد: ان کے نامزد کردہ خلفاء ان کی تعلیمات کو فروغ دینے والے شاگرد اور فیض یافتہ افراد → مدارس، خانقاہوں، عوامی محافل، سوشل میڈیا، اور فتویٰ کے حلقوں میں حضرت کی فکر، فیض اور اخلاق کو زندہ کیے ہوئے ہیں

باب بارہ

تربیت و حوصلہ افزائی

نوجوانوں سے محبت، اعتماد اور رہنمائی

عملی رہنمائی، فکری بصیرت اور روحانی تعلق — نوجوان نسل کے لیے حضرت کی فکر

تربیت کا عملی اسلوب — صرف بات نہیں، کردار کی ترسیل حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ نے تربیت کو صرف *نصیحت یا تقریر کا نام* نہیں سمجھا۔ وہ تربیت کو عملی رفاقت، کردار کی جھلک، اور باطنی اصلاح کی بنیاد پر کرتے تھے۔ فرمایا: "نوجوان کا ذہن کتاب سے نہیں،کردار سے متاثر ہوتا ہے۔ —وہ صرف بات سننا نہیں چاہتا، وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آپ کیسے جیتے ہیں۔" اسی لیے حضرت کا ہر عمل نوجوانوں کے لیے خاموش نصیحت بن جاتا۔

کردار سازی میں تدریج — طبیعت، ظرف، اور فہم کے مطابق اصلاح حضرت ہر نوجوان کے مزاج کو جانتے: جو عقلی نوعیت کا تھا، اسے دلیل سے قائل کرتے جو جذباتی تھا، اسے محبت و شفقت سے سنبھالتے جو شوق میں غلطی کر بیٹھتا، اسے شرمندہ نہیں، متوجہ کرتے اور جو حق کا متلاشی ہوتا، اسے علم، کتاب اور دعا کا ذریعہ دیتے وہ فرمایا کرتے: "ہر نوجوان ایک جستجو میں ہے —
اگر ہم نے اسے بے تکلفی سے سنبھال لیا،تو وہ دین کا خادم بنے گا۔اگر ہم نے سختی یا طنز سے توڑ دیا،تو وہ کفر کے ہتھیار بنے گا۔سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں تربیت

حضرت نے نوجوانوں کی تربیت کے لیے:
سیرت النبی ﷺ کو اصل معیار بنایا اصحابِ صفہ،
حضرت اسامہ، حضرت علی، حضرت معاذ جیسے
نوجوانوں کی مثالیں دیں صحابہ کرام کے نرم رویّہ اور
محبت سے بھرے اسلوب کو اختیار کیا فرمایا: “اگر رسولِ
اکرم ﷺ نے نوجوانوں کو جنگوں کی قیادت دی،
تو ہم انہیں صرف واعظ کیوں نہ بنائیں؟اُن کی اصلاح
صرف منع کرنے سے نہیں،
اعتماد دینے سے ہوگی۔ذاتی تعلق
نوجوان کے دل کا دروازہ حضرت نے نوجوانوں سے:
انفرادی ملاقاتیں ذاتی مشورے کبھی فون، کبھی تحریری
پیغام
→ کے ذریعے ایک ایسا تعلق قائم کیا،جو انہیں دور ہو کر
بھی قریب محسوس ہوتا وہ کہتے: “اگر کوئی نوجوان
غلطی کرے،تو پہلے اس سے رشتہ قائم کرو،پھر اس کی
اصلاح کرو۔تعلق بنے بغیر تربیت،حکم بن جاتی ہے —
نصیحت نہیں۔

جدید سوالات اور فکری ابہام کا جواب آج کے نوجوان کا چیلنج

سوشل میڈیا پر دین کا مذاق سائنسی فہم اور
دینی اصول کا تضاد آزاد خیالی، فردیت پسندی، الحاد،
سیکولرزم حضرت نے ان سوالات کا: تحقیقی، نہایت
حکیمانہ اور تحمل مزاج انداز میں جواب دیا نوجوان کو
فتوے سے نہیں، فہم سے جیتا۔ نوجوان نے سوال کیا: “اسلام
عورت کو کمتر کیوں سمجھتا ہے؟” حضرت نے مسکراتے
ہوئے فرمایا: “بیٹا! جس دین نے ماں کے قدموں میں جنت
رکھی،
کیا وہ عورت کو کمتر سمجھے گا؟
فرق صرف ہمارا فہم ہے —
دین کی اصل نہیں۔
آؤ، دین کو صحیح سمجھو —
تمہیں عزت بھی ملے گی، شعور بھی، اور خدا بھی۔

باب تیرا

بیانات، خصوصی نشستیں، عورتوں کی اصلاح

تمہید

قبلہ مفتی صاحب کی دعوتی زندگی کا ایک نہایت اہم اور بار آور پہلو خواتین کی اصلاح و تربیت ہے۔ جہاں عام دروس، خطابات اور مجالس کے ذریعے انہوں نے امت کے مردوں میں دین داری کو فروغ دیا، وہیں خواتین کی فکری، اخلاقی، اور دینی ترقی کے لیے الگ نظام تربیت قائم فرمایا۔ اس باب میں ان کی ان کاوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے جو انہوں نے خواتین کی تعلیم، تربیت، اور اصلاح کے لیے انجام دیں۔

1۔ اصلاحِ نسواں کی اہمیت پر ان کا نقطہ نظر

حضرت مفتی صاحب فرماتے:

"اگر عورت درست ہو جائے تو نسلیں سنور جاتی ہیں، اور اگر وہ بگڑ جائے تو پورا معاشرہ بگڑ جاتا ہے۔"

ان کے نزدیک عورت فقط گھر کی فرد نہ تھی بلکہ نسلوں کی معمار تھی۔ یہی شعور انہیں اس میدان میں خاص طور پر متحرک رکھتا تھا۔

2۔ مخصوص نشستوں کا انعقاد

حضرت مفتی صاحب نے خواتین کی دینی رہنمائی کے لیے علیحدہ و باحیا ماحول میں نشستوں کا اہتمام شروع فرمایا، جن میں درج ذیل پہلو نمایاں ہوتے:

پردہ دار اجتماعات: مکمل شرعی پردہ اور حیا کے تقاضوں کے مطابق انتظام ہوتا۔

موضوعات کی تخصیص: عقیدہ، عبادات، اخلاق، حلال و حرام، گھریلو معاملات، شوہر کے حقوق، بچوں کی تربیت، اور سیرتِ فاطمہؓ جیسے موضوعات کو مرکز بنایا جاتا۔

سوال و جواب: خواتین کو دین سے متعلق سوالات

پوچھنے کی مکمل آزادی دی جاتی، جن کے جوابات تسلی بخش اور آسان فہم انداز میں دیے جاتے۔

3۔ بیانات کی خصوصیات

حضرت مفتی صاحب کے بیانات میں کئی خوبیاں یکجا تھیں:

نرمی و شفقت: ان کا انداز اصلاحی، محبت آمیز اور مشفقانہ ہوتا۔

دلائل پر مبنی خطابت: قرآن، حدیث، اقوالِ اولیاء، اور اعلیٰ حضرت کے ارشادات کو مدلل انداز میں پیش کرتے۔مثالوں سے وضاحت: خواتین کو درپیش عام مسائل کو مثالی واقعات سے واضح کرتے، تاکہ عملی زندگی میں آسانی ہو۔

اخلاقی تحریک: صبر، شکر، قناعت، حیا، عاجزی اور خدمتِ خلق جیسے اوصاف پر زور دیتے۔

4۔ اصلاحی موضوعات

ان کے خطابات میں خاص طور پر درج ذیل عنوانات بار بار زیرِ بحث آتے:

عورت کی دینی حیثیت

بیوی کے فرائض و حقوق

ماں کی تربیتی ذمہ داریاں

بہن و بیٹی کا معاشرتی کردار

پردہ، حجاب، اور عصری فتنوں کا حل

سوشل میڈیا و فیشن کے اثرات اور ان کا اسلامی متبادل

5۔ تربیتی نظام کا قیام

حضرت مفتی صاحب نے خواتین کے لیے دینی تربیت کا باقاعدہ نظام وضع کیا:درسِ قرآن و حدیث: خواتین کے لیے مخصوص درسِ قرآن کا سلسلہ ہفتہ وار جاری رہتا۔

اصلاحی حلقے: چھوٹے چھوٹے اصلاحی حلقے تشکیل دیے گئے جن میں مختلف عمر کی خواتین شریک ہوتیں۔آن لائن کلاسز: دور دراز خواتین کے لیے آن لائن نشستوں، لیکچرز اور سوال و جواب کے سیشن کا اہتمام کیا گیا۔

تحریری رہنمائی: خواتین کے خطوط کے ذریعے سوالات کا جواب دینا، اور اصلاحی مضامین ارسال کرنا۔

6۔ خواتین کی دینی بیداری کے نتائج

ان کی محنت کے مثبت اثرات بڑی تعداد میں سامنے آئے:سیکڑوں خواتین نے دین کا باقاعدہ علم حاصل کیا۔بے پردگی چھوڑ کر شرعی حجاب کو اپنایا۔بدعات و خرافات سے توبہ کر کے سنت کی پیروی اختیار کی۔اپنی اولاد کی تربیت میں دینی شعور پیدا کیا۔گھریلو جھگڑوں میں کمی اور اسلامی طرزِ زندگی کا رجحان بڑھا۔

7۔ انفرادی واقعات و تاثرات

ایک خاتون کا تاثر:میں سادہ مسلمان تھی، مگر حضرت کی مجلس میں آنے کے بعد میں نے نماز، قرآن، پردہ، اور شریعت کی طرف رجوع کیا۔ میری زندگی بدل گئی۔”

ایک مکتوب:

”حضرت! آپ کے آن لائن بیان نے مجھے آنسوؤں سے رُلا دیا۔ میں نے دل سے توبہ کی اور زندگی کو دین کے مطابق ڈھال لیا۔”

تربیت یافتہ خواتین کا کردار:

کئی خواتین نے آگے چل کر دیگر خواتین کے لیے تربیتی حلقے قائم کیے، اور اصلاحِ نسواں کی تحریک کو آگے بڑھایا۔

8۔ بیعت و روحانی تربیت میں خواتین کی شرکت

حضرت مفتی صاحب نے روحانی نظام میں خواتین کو بھی شامل فرمایا:خواتین مریدات کو شرعی رہنمائی اور تسبیحات کا وظیفہ دیا جاتا۔روحانی بیماریوں جیسے حسد، غیبت، ناشکری، زبان کی بے احتیاطی پر خصوصی تربیت دی جاتی۔خواتین کے خطوط کو توجہ سے پڑھا جاتا، اور ان کی روحانی حالت کی نگرانی بھی کی جاتی۔

9۔ دعوتی پیغام اور معاشرتی اصلاح

حضرت مفتی صاحب عورتوں کو فقط عبادات تک محدود نہ کرتے بلکہ انہیں دعوتِ دین، اصلاحِ معاشرہ، اور خیر خواہی کی عملی دعوت دیتے:

شوہر و بچوں کو نماز کا پابند بنانا

ہمسائیوں کے حقوق کا خیال

خاندانی نظام میں تعاون

اصلاحی میل جول اور دین دار حلقہ اختیار کرنا

نتیجہ و خلاصہ

قبلہ مفتی صاحب کا اصلاحِ نسواں کا پہلو ان کی دعوتی زندگی کا قابلِ فخر باب ہے۔ ان کی بےلوث محنت، اخلاص، علمی وسعت، اور روحانی درد نے سینکڑوں نہیں، ہزاروں خواتین کو دین، حیاء، اور اصلاح کے راستے پر لگا دیا۔ ان کی دعوتِ نسواں نہ صرف وقت کی اہم ترین ضرورت تھی بلکہ آنے والے وقتوں کے لیے بھی مشعلِ راہ ہے۔

باب چودہ

گھریلو ماحول، تربیت، عائلی زندگی

تمہید

قبلہ مفتی صاحب کی شخصیت جہاں ایک جلیل القدر عالمِ دین، فقیہ، مدرس، خطیب اور داعی کی حیثیت رکھتی ہے، وہیں اُن کی عائلی زندگی، گھریلو ماحول اور خاندانی معاملات میں کردار بھی اپنے اندر بے شمار سبق، حکمت اور مصلحت لیے ہوئے ہے۔ وہ صرف مسجد و مدرسہ کے نہیں بلکہ گھر کے بھی "رہبرِ کامل" تھے — جہاں شفقت، تربیت، عدل، محبت اور دینی اقدار کا گہوارہ قائم تھا۔

1۔ گھریلو زندگی: ایک روحانی و عملی ماڈل

حضرت مفتی صاحب کا گھر صرف ایک رہائش گاہ نہ تھا، بلکہ ایک تربیت گاہ، خانقاہ اور دینیہ اقدار کا مرکز تھا۔ ان کی روزمرہ زندگی کے معاملات میں واضح اصولی طرزِ عمل، وقت کی پابندی، حلال روزی کی برکت، اور صبر و شکر کا ماحول غالب تھا۔

وہ فرمایا کرتے:

“اگر گھر میں دین ہے تو دنیا میں سکون ہے، اور اگر دین گھر سے نکل جائے تو دنیا قبر بن جاتی ہے۔”

2۔ خاندانی تربیت کا نظام

ان کی اولاد، اہلِ خانہ، اور قریبی رشتہ دار ان کے کردار سے براہ راست متاثر تھے۔ حضرت مفتی صاحب نے خاندانی تربیت میں درج ذیل اصولوں کو ہمیشہ مدنظر رکھا:

نماز کا التزام: گھر کے ہر فرد کو نماز کا عادی بنایا، حتیٰ کہ بچوں کو بھی شوق سے مسجد لے جانا۔

دعاؤں کی تعلیم: روزمرہ کے اذکار، کھانے، سونے، اٹھنے، اور سفر کی مسنون دعائیں یاد کروانا۔

ادب و احترام: چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں کا احترام، ہر فرد کے لیے لازم قرار دینا۔
اخلاقی نظم: جھوٹ، غیبت، سخت کلامی، اور فضول باتوں سے مکمل اجتناب سکھانا۔

3۔ شریکِ حیات کے ساتھ تعلق

حضرت مفتی صاحب کا اپنی اہلیہ کے ساتھ تعلق محبت، مشاورت، عزت اور تعاون پر مبنی تھا۔ وہ گھر کے فیصلوں میں شریکِ حیات کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور فرمایا کرتے:
“بیوی اگر دین دار ہو تو وہ شوہر کی محافظ اور بچوں کی مصلح ہوتی ہے۔”بیوی کی ذمہ داریاں بھی وہ قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھاتے اور ان کی دینی تربیت کے لیے الگ سے وقت دیتے۔
اہلِ خانہ کی خوشیوں، بیماریوں، اور معاشی مسائل کو دینی استقامت اور اخلاقی ضبط سے حل کرتے۔

4۔ اولاد کی تربیت

حضرت مفتی صاحب کی اولاد اُن کی تربیت کا عملی نمونہ تھی۔ انہوں نے بچوں کی تربیت کے لیے درج ذیل خطوط پر عمل فرمایا:

تعلیم و تعلم میں رغبت: بچوں کو دینی و عصری تعلیم میں توازن کے ساتھ آگے بڑھایا۔

خود اعتمادی کی تعلیم: ہر بچے کو اعتماد، ذمہ داری اور سچائی کا خوگر بنایا۔

صحبتِ صالحہ: بزرگانِ دین کی صحبت، مجالس اور دینی محافل میں شرکت کو لازمی قرار دیا۔

خدمتِ دین کی رغبت: بچوں کو شروع سے دین کی خدمت، تلاوتِ قرآن، اور لوگوں کی اصلاح کی طرف مائل کیا۔

5۔ رشتہ داروں اور مہمانوں کے ساتھ سلوک

حضرت مفتی صاحب کے ہاں صلہ رحمی اور مہمان نوازی کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ وہ رشتہ داروں کے

مسائل سنتے، اُن سے تعاون کرتے، اور فرمایا کرتے:رشتے دار اگر نافرمان بھی ہو، تو صبر اور خیرخواہی کے دروازے بند نہ کرو۔”مہمانوں کی خاطر تواضع دلی خوشی سے کرتے، حتیٰ کہ مہمان کے آنے پر خود دروازے تک جا کر استقبال کرتے۔

اہلِ خانہ کو بھی یہی سکھاتے کہ مہمان کو خادم نہیں بلکہ سعادت سمجھو۔

6۔ گھر کا ماحول: شریعت کے تابع

ان کے گھر کا ماحول دین کے تابع ہوتا:کوئی غیر شرعی رسم یا بدعت نہ تھی۔ٹی وی، موسیقی، یا فضول تفریح کا رواج نہ تھا۔عورتوں کے پردے، بچوں کی زبان، اور سب کا کردار باوقار ہوتا۔ہر مہینے کم از کم ایک دن خصوصی دعا، نعت، یا ذکر کی مجلس گھر میں منعقد کی جاتی۔

7۔ صبر، قناعت، اور سادگی

حضرت مفتی صاحب نے ہمیشہ سادگی کو اختیار کیا اور گھر میں بھی اسی کا درس دیا:ناعت پسند طبیعت، حتیٰ کہ محدود آمدنی میں بھی سکون کے ساتھ زندگی گزاری۔کلفات اور فضول اخراجات سے سخت پرہیز۔

اولاد کو بھی کفایت شعاری اور حلال کی کمائی کا سبق دیا۔

8۔ مشکل حالات میں طرزِ عمل

مشکلات، بیماریوں، یا مالی پریشانیوں کے وقت حضرت مفتی صاحب کا رویہ صبر، توکل اور دینی رجوع پر مبنی ہوتا۔ وہ فرمایا کرتے:

“پریشانی ایمان کا امتحان ہے — جو اس میں صبر کر گیا، اُس نے کامیابی کا پہلا دروازہ پار کر لیا۔”

9۔ گھر کو "دارالامن" بنانا

حضرت مفتی صاحب کا سب سے اہم اصول یہ تھا:

“گھر کو شور و غل، شکوے شکایت، اور تلخی سے پاک رکھو، تاکہ ہر فرد کے لیے وہ سکون کا مرکز بن

جائے۔”

اسی وجہ سے ان کا گھر:فکری و روحانی سکون کا مقام تربیت، محبت، اور عزت کا سرچشمہ دعا و ذکر کی گونج سے لبریزدین و دنیا کا امتزاجی نمونہ ہوتا

باب پندرہ

خلافت و فیضان — روحانی اجازتیں، سلسلہ

تمہید

قبلہ مفتی صاحب کی شخصیت کا روحانی پہلو ان کی علمی و فقہی عظمت کی طرح روشن اور گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اُن کا تعلق نہ صرف علمی سلاسل سے تھا بلکہ وہ طریقت کی ان بابرکت شاہراہوں سے بھی منسلک تھے جن کا سرچشمہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کی طرف جاتا ہے۔ ان کا روحانی سفر، بیعت سے خلافت تک، اور پھر خلافت سے فیضانِ طریقت کی عام تقسیم تک پھیلا ہوا تھا۔

بیعت کا مرحلہ — روحانی سفر کا آغاز

حضرت مفتی صاحب نے نوجوانی ہی میں تصوف کی طرف گہرا میلان محسوس کیا۔ ایک عرصہ تک وہ مختلف مشائخ کی مجالس میں حاضر ہوتے رہے، مگر بیعت کے لیے انہوں نے طویل غور و فکر اور استخارے کے بعد ایک ایسے شیخِ کامل کو منتخب کیا جو نہ صرف متشرع تھے بلکہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے ترجمان بھی تھے۔

بیعت کے وقت اُن کا یہ قول معروف ہے:

“بیعت صرف ظاہری تعلق نہیں، بلکہ روح کی لگن، دل کی تابعداری، اور فکر کی اصلاح ہے۔”

سلاسلِ طریقت سے وابستگی

حضرت مفتی صاحب کو جن سلاسلِ طریقت سے اجازت و خلافت حاصل تھی، ان میں خصوصاً درج ذیل شامل تھے:قادریہ رضویہ،نوریہ

بعض اجازتیں تعلیمی و تبرکاتی سطح پر)ان سلاسل کی نسبت ان کے عمل، اذکار، ورد و وظائف اور

تربیتی طرزِ فکر میں واضح دکھائی دیتی تھی۔

خلافت و اجازت — اسناد اور روحانی اجازتیں

قبلہ مفتی صاحب کو ان کے شیخ و مرشد نے نہ صرف خلافت سے نوازا بلکہ متعدد سلاسل میں مجازِ طریقت بھی قرار دیا۔ انہیں کئی اکابر علما و مشائخ سے اجازتِ بیعت، تلقینِ ذکر، و ارشاد حاصل ہوئی۔ان کی خلافتی اسناد باقاعدہ مکتوب صورت میں محفوظ تھیں۔ وہ فرمایا کرتے:

“خلافت کاغذ پر نہیں، سلوک کی راہوں پر ثابت ہوتی ہے۔”

فیضانِ طریقت — عوام و خواص پر اثرات

حضرت مفتی صاحب کا روحانی فیضان نہایت مؤثر اور شفاف تھا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں: علما، طلبہ، مدرسین، کاروباری حضرات، خواتین، اور نوجوان شامل تھے۔ وہ سب کو فرداً فرداً روحانی تعلیمات، وظائف، اور ذکر کا طریقہ سمجھاتے۔ اصلاحِ باطن، طہارتِ قلب، اور محبتِ رسول ﷺ کو بنیاد بناتے۔ ان کی مجالس میں شرکت کرنے والے افراد خود کو ہلکا، صاف، اور دین سے قریب محسوس کرتے تھے۔

ذکر و اذکار کا نظام

حضرت مفتی صاحب نے بیعت کنندگان کے لیے ایک خاص نظم قائم کیا:

- ذکرِ جلی و خفی دونوں پر زور دیتے۔
- ہر فرد کی روحانی حالت کے مطابق ورد تجویز کرتے۔
- نیت، طہارت، اور اخلاص کو ذکر کی جان قرار دیتے۔

ان کا پسندیدہ ذکر "یا حی یا قیوم برحمتک أستغیث" تھا، جسے وہ قلبی سکون اور روحانی ترقی کا ذریعہ کہتے۔

تربیتِ سالکین — اخلاق و عمل کی اصلاح

ان کی روحانی تربیت محض وظائف کی حد تک نہ تھی بلکہ وہ کردار سازی، نیت کی صفائی، اور دینی شعور کی بیداری پر زور دیتے۔ جھوٹ، غیبت، خودپسندی، اور دنیا پرستی سے مکمل اجتناب سکھاتے۔ نفس کی مجاہدہ، زبان کی حفاظت، اور وقت کی قدردانی سلوک کی بنیادی شرائط قرار دیتے۔ ہر بیعت کنندہ سے باقاعدہ ملاقات، خط و کتابت، اور دعائیہ تعلق رکھتے۔

اصلاحِ معاشرہ میں روحانی کردار

انہوں نے طریقت کو اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنایا:بدعتوں سے اجتناب، سنتوں کی ترویج، اور صلحِ رحمی پر خصوصی زور دیا۔خواتین کی تربیت، نوجوانوں کی روحانی ذہن سازی، اور علما کی اخلاقی تربیت ان کی مجلسوں کا اہم حصہ تھیں۔وہ فرمایا کرتے:

"سلوک وہی ہے جو معاشرہ میں روشنی بنے، اور امت کو جوڑ دے۔"

وصال سے قبل کی ہدایات

وصال سے کچھ وقت پہلے انہوں نے اپنی روحانی ذمہ داریوں کو منظم انداز میں منتقل فرمایا:

خلافت و اجازت کی اسناد اپنے خلیفہ مجازین کو عطا کیں۔

مریدین کو تلقین فرمائی کہ طریقت کے اصل مقاصد (توحید، اتباعِ سنت، اور خدمتِ خلق) کو اپنائیں۔

اہلِ خانہ کو ہدایت دی کہ فیضان کو تقویٰ، علم، اور حلم کے ساتھ جاری رکھیں۔

باب سولہ

اصلاحِ باطن — تصوف، مجاہدہ، ذکر

تمہید

قبلہ مفتی صاحب کی علمی، فکری، اور دعوتی زندگی کا مرکز اگر ظاہر تھا تو اس کی بنیاد باطن تھا۔ اُن کی پوری زندگی تصوف، مجاہدہ، اور ذکر سے منور تھی۔ ان کی اصلاحِ باطن کا سفر نہ تو محض رسمی تھا اور نہ ہی ظاہری رسومات تک محدود — بلکہ یہ ایک زندہ، بامقصد، اور روحانی حقیقت کا عکاس تھا۔

1۔ تصوف — علم سے حال تک کا سفر

حضرت مفتی صاحب کے نزدیک تصوف کا مفہوم صرف ورد و وظائف یا لباسِ صوفیانہ نہ تھا، بلکہ:

تصوف ایک زندہ عملی نظامِ زندگی ہے جو قرآن و سنت کی بنیاد پر تزکیہ، اخلاص، اور بندگی کا سچا شعور دیتا ہے۔

وہ فرماتے:

"تصوف صرف ذِکر نہیں، فکر بھی ہے — نہ صرف وجد ہے بلکہ جہد بھی ہے۔"

انہوں نے امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت مجدد الف ثانی، اور امام ربانی احمد رضا خان بریلوی رحمہم اللہ کی تعلیمات سے گہری وابستگی رکھی اور ان کو اپنی روحانی ترقی کا ذریعہ بنایا۔

2۔ روحانی مجاہدات — نفس کی تطہیر

حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا ہر گوشہ نفس کے خلاف مجاہدہ کا آئینہ دار تھا:

انہوں نے اپنی خواہشات پر مکمل قابو رکھا، کم بولتے،

زیادہ سنتے، اور ہر بات میں اخلاص کو مقدم رکھتے۔راتوں کو قیام، تہجد، اور تنہائی میں ذکر ان کی روحانی مشق کا حصہ تھا۔وہ اکثر فرماتے:

اگر علم سے عاجزی پیدا نہ ہو، تو وہ بوجھ ہے۔ اور اگر تصوف سے سنجیدگی پیدا نہ ہو، تو وہ دھوکہ ہے۔”

3۔ ذکر — قلب کی زندگی

حضرت مفتی صاحب کا ذکر نہایت باقاعدہ، گہرائی سے بھرپور، اور سنت کے مطابق تھا:

وہ اذکارِ مسنونہ کے ساتھ ساتھ مشائخ سے حاصل شدہ مخصوص اذکارِ طریقت بھی جاری رکھتے۔

ذکرِ جہر، ذکرِ خفی، اور مراقبہ ان کے روحانی معمولات کا لازمی حصہ تھے۔

ان کی مجالس میں اجتماعی ذکر کی روحانی فضا پورے ماحول کو منور کر دیتی۔

“دل کا زنگ صرف ذکر سے اترتا ہے۔" — حضرت مفتی صاحب

4۔ تعلق باللہ — روحانی وابستگی کا مرکز

ان کی پوری روحانی زندگی کا محور اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط بنانا تھا:

وہ اپنے شاگردوں کو بھی یہ تعلیم دیتے کہ علم کے ساتھ ذکر، مجاہدہ، اور اللہ سے قرب کا تعلق لازمی ہے۔

نماز باجماعت، تلاوت، اور تہجد ان کی عملی زندگی میں محور و مرکز کی حیثیت رکھتے۔

5۔ اصلاحِ باطن کی تعلیم

حضرت مفتی صاحب نے اصلاحِ باطن کو ایک منظم تعلیم کا حصہ بنایا:

اپنے شاگردوں کو تزکیہ نفس کے دروس دیتے۔

“ریا، تکبر، حسد، اور غفلت" جیسے امراضِ باطنی سے بچنے کے عملی طریقے سکھاتے۔

وہ یہ بات بارہا دہراتے:

“باطن صاف ہو جائے تو ظاہر خود سنور جاتا

ہے۔”

6۔ خلوص و عاجزی — تصوف کا عملی رنگ

اُن کی عاجزی مثالی تھی:

بڑے سے بڑا علمی یا روحانی درجہ رکھنے کے باوجود خود کو ہمیشہ ایک طالب علم کہتے۔

مجلس میں سب سے پیچھے بیٹھنا، شاگردوں کو اپنے برابر بٹھانا، اور خدمت کو عبادت سمجھنا ان کی طبیعت کا حصہ تھا۔

“مقام وہی ہے جہاں بندہ خود کو کچھ نہ سمجھے۔" — حضرت مفتی صاحب

7۔ روحانی تربیت — سلسلہ وار حکمت

حضرت مفتی صاحب نے اپنے مریدین اور متعلقین کی تربیت بھی ایک خاص ترتیب سے کی:

پہلے علمی پختگی، پھر عملی تزکیہ، پھر ذکر و شغل، اور آخر میں روحانی ذمہ داری۔

وہ فرماتے:جس کا ظاہر علما جیسا اور باطن اولیا جیسا ہو، وہی کامل وارثِ نبی ہوتا ہے۔”

8۔ تصوف اور شریعت — توازن کا اصول

وہ ہر وقت اس بات پر زور دیتے کہ:تصوف، شریعت سے الگ نہیں، بلکہ شریعت ہی کا باطنی رخ ہے۔ وہ ناقابلِ فہم اور غیر شرعی تصوف کے سخت مخالف تھے۔ ان کا یہ قول مشہور تھا:

“بے شریعت تصوف، شیطانی جال ہے — اور بے تصوف شریعت، خشک رسم۔”

9۔ روحانی مجالس — قلب کی صفائی کا وسیلہ

ان کی ذکر و اصلاح کی مجالس میں:لوگ گریہ کرتے، دل

نرم ہوتے، اور گناہوں سے توبہ کی توفیق ملتی۔
کئی لوگ انہی مجالس کی برکت سے نماز کے پابند
اور دین دار بنے۔

باب سترہ

مختلف شخصیات کے تأثرات — شاگرد، علماء، شخصیات

تمہید

قبلہ مفتی صاحب کی شخصیت ایسی تھی جس نے نہ صرف اپنے وقت کے عوام و خواص کو متاثر کیا، بلکہ اپنے بعد کے علمی، روحانی، اور اصلاحی حلقوں میں بھی دیرپا نقوش چھوڑے۔ ان کے تلامذہ، ہم عصر علماء، اکابر مشائخ، اور مذہبی شخصیات نے ان کی خدمات، سیرت، اور اثرات کا تذکرہ انتہائی عقیدت اور اعتماد سے کیا ہے۔ یہ باب اُن ہی تأثرات پر مشتمل ہے، جو آپ کی علمی عظمت، روحانی گہرائی، اور عملی بصیرت کا مظہر ہیں۔

1۔ شاگردوں کی زبانی: علمی و اخلاقی تربیت کا فیض

حضرت مفتی صاحب کے سینکڑوں شاگرد مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ ہوئے — کچھ مدرسین بنے، کچھ مفتیان، کچھ مبلغین، اور کچھ اصلاحی راہ کے مسافر۔

ایک شاگرد کا بیان:

"ہم نے حضرت کو صرف استاد نہیں، ایک زندہ نصاب پایا۔ ان کی زبان سے نکلا ہر لفظ ہمارے لیے ضابطہ تھا، اور ان کی خاموشی بھی ایک تربیت۔"

ایک مفتی شاگرد کا کہنا:

"فتویٰ لکھنے میں اُن کا انداز ایسا سکھایا کہ دلیل کے ساتھ وقار، اور نرمی کے ساتھ استقامت آ گئی۔"

ان کے کئی شاگرد آج برصغیر، خلیجی ممالک، یورپ اور امریکہ میں مدارس، مراکز، مساجد میں خدمات انجام دے رہے ہیں — اور ہر جگہ حضرت کی دعاؤں اور تربیت کا حوالہ دیتے ہیں۔

2۔ علماء کے تاثرات: علمی مقام کا اعتراف

کئی معاصر علماء کرام اور مفتیانِ عظام نے حضرت کے علمی مقام، فتویٰ نویسی، اور تصنیفی کام کا برملا اعتراف کیا:

شیخ الحدیث علامہ __ نے فرمایا:

"مفتی سید محمد عظمت علی نوری جیسے اصحابِ علم اب کم نظر آتے ہیں — وہ بیک وقت فقیہ، صوفی، مدرس، اور مبلغ تھے۔"

جامعہ __ کے رئیس کا بیان:

"ہم نے ان کی کتابیں پڑھ کر اندازہ کیا کہ وہ صرف مؤلف نہیں، محقق اور صاحبِ نظر مفسر بھی تھے۔"

فتویٰ کمیٹی کے سینئر رکن کا کہنا:

"مسلکِ اعلیٰ حضرت پر مضبوطی، لیکن ادب و وقار سے مزین اسلوب — یہ صرف اُن جیسے متوازن علماء کا خاصہ ہے۔"

3۔ مشائخِ طریقت کی نظر میں

چونکہ حضرت خود بھی ایک صاحبِ خلافت اور مجازِ طریقت تھے، اس لیے دیگر سلاسل کے مشائخ نے بھی ان کی روحانیت، اخلاص، اور قربِ الٰہی کو سراہا:

سلسلہ نقشبندیہ کے ایک پیر صاحب نے فرمایا:

"ان کی مجالس میں بیٹھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص دنیا سے نہیں، دل سے جڑا ہے — اور دل کا راستہ اللہ کی طرف جاتا ہے۔"

قادری مشرب کے ایک بزرگ کا قول:

"عشقِ رسول ﷺ اور اتباعِ سنت، ان دونوں کے سنگم کا نام 'مفتی اعظم نوری' ہے۔"

4۔ عوام الناس میں مقبولیت

حضرت کے مریدین، متوسلین، اور دیگر عوام میں ان کا اثر گہرا اور خالص تھا:

ہر طبقے کے لوگ ان کے اخلاق سے متاثر ہوتے —

چاہے وہ دیہاڑی دار مزدور ہو، تاجر، یا تعلیم یافتہ نوجوان۔

ایک تاجر نے بیان دیا:

“جب کبھی فیصلہ نہ ہو پاتا، حضرت کے ایک جملے سے دل مطمئن ہو جاتا — وہ روح کی رہنمائی کرتے تھے، نہ کہ صرف زبان کی۔”

خواتین بھی ان کی مجالسِ اصلاح سے متاثر رہیں، اور بچوں کے دلوں میں بھی اُن کی محبت جاگزیں رہی۔

5۔ عالمی سطح پر اثر

حضرت مفتی صاحب کے شاگردوں اور اثرات کا دائرہ ہندوستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، برطانیہ، امریکہ، اور کینیڈا تک پھیلا ہوا تھا۔

ان کی تصانیف، بیانات، اور فتاویٰ اب بھی دنیا بھر کے رضوی، بریلوی، اور سنی حلقوں میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔

6۔ تأثراتی خطوط اور خراجِ تحسین

حضرت کی وفات پر مختلف مکاتبِ فکر کے علما، مشائخ، اور اداروں کی طرف سے تعزیتی پیغامات، خطوط، اور تحریری تأثرات موصول ہوئے۔

ان میں سے کچھ جملے دل کو چھو جانے والے تھے:

“وہ خود چلے گئے، لیکن چراغ جلا گئے۔”

“ان کا علمی، روحانی، اور اخلاقی فیضان ہمیشہ جاری رہے گا۔”

“مسلکِ رضا کا وہ روشن چہرہ جو الفاظ اور اعمال سے جگمگاتا تھا — اب کتابوں میں زندہ ہے۔”

باب اٹھارہ

سماج پر اثر، کردار سازی — حضرت کے معاشرتی اثرات

عالمِ دین سے سماج ساز تک — حضرت کی شخصیت کا معاشرتی فیضان

دین صرف محراب و منبر تک محدود نہیں — حضرت کا سماجی شعور

حضرت مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو صرف عالمِ دین، مفتی یا خطیب کہنا ان کے مقامِ اثر کے ساتھ انصاف نہ ہو گا — کیونکہ وہ صرف مسائل کا جواب دینے والے نہ تھے، بلکہ سماج کی نبض پہچاننے والے، اس کے درد کو سمجھنے والے، اور کردار کی روشنی پھیلانے والے مربی بھی تھے۔

محلے سے معاشرے تک — تبدیلی کی ابتدا قریبی لوگوں سے

حضرت کا طرزِ اثرپذیری یہ تھا کہ:

اصلاح کی ابتدا **اپنے محلے، اپنے نمازیوں، اور اپنے طالبعلموں** سے کی، کسی مہم کا اعلان نہ کیا، مگر **لوگوں کے مزاج، مجلس، اور سوچ بدل د**یفرمایا کرتے:

“سماج وہی سنورتا ہے،
جسے سنوارنے والا خود پہلے بدل چکا ہو”

مسجد — عبادت کا نہیں، معاشرت کا مرکزحضرت نے مسجد کو:صرف نماز کا مقام نہیں،بلکہ **معاشرتی تعمیر کا مرکز** بنایا۔

کردار سازی — مسجد و مدرسے کے باہر بھی اصلاحی فیضان

حضرت فرماتے:اگر میری مسجد سے نمازی تو نکلے،مگر

باکردار انسان نے نکلے — تو میں نے صرف اذانیں دیں،کردارـ نہیں دیا۔”

اسی وجہ سے:نوجوانوں کے لباس، نشست و برخاست، اور گفتگو میں واضح فرق دیکھا گیاخواتین کے پردے، شرم و حیا میں نرمی سے تبدیلی آئیدکانداروں کی دیانت، ملازموں کی وفاداری اور محلے کے سلوک میں خوشبو آ گئی یہ سب **وعظ سے نہیں، حضرت کی موجودگی اور شخصیت کی برکت سے** تھا۔

خاندانی و معاشرتی تنازعات — خاموش ثالث و مصلح

حضرت کی سب سے غیر اعلانیہ، مگر سب سے اثرپذیر خدمت:
خاندانی جھگڑوں کو سلجھانا سسرالی مسائل میں صلح کرانا بھائیوں کے جائیداد کے جھگڑوں میں راہنمائی دینا ساس بہو کے رویّے میں بیلنس پیدا کرنا طریقہ۔ دونوں فریقین کو بلا کر انفرادی مشورہ قرآن و حدیث کی مثالوں سے فہم دینا کسی کو کمتر نہ سمجھنا اور فرمایا کرتے: “رشتے بچا لو،کیونکہ رشتے بچانا دین کا دروازہ ہے،جھگڑا ختم کر دو،کیونکہ جھگڑا شیطان کا پہلا ہتھیار ہے۔” ۔
بچوں اور والدین کے رشتے میں نرمی و اصلاح حضرت جانتے تھے کہ: “نوجوان بگڑتا تب ہے،
جب والدین اسے نصیحت دیتے ہیں — مگر محبت نہیں۔اورـ والدین ٹوٹتے تب ہیں،جب اولاد ادب کھو دیتی ہے۔” لٰذا:
وہ والدین کو تربیت دیتے کہ بچوں کو وقت دو بچوں کو سکھاتے کہ والدین کے قدموں میں سکون ہے اور دونوں کے درمیان ایسا ربط پیدا کرتےجس سے گھر سکون کا محور بن جاتا

گفتگو کا انداز — سماجی شعور کے ساتھ

علمی گفت و شنید حضرت نے کبھی بھی: عوامی اجتماعات میں سیاست پر تلخی پیدا نہ کی کسی بھی گروہ یا فرد پر تنقید برائے طنز نہ کی اختلاف کو اصلاح کا

دروازے بنایا لوگوں کو جھاڑنے کے بجائے سنبھالا

ان کے الفاظ کا مزاج: “

آؤ بات کریں، مگر دلوں میں نفرت لیے بغیر”
“اختلاف کرو، مگر حدود میں” “بچوں کو محبت دو، نصیحت خود مؤثر ہو جائے گی”

اصلاحِ معاشرہ کے لیے حضرت کے بنیادی اصول:

آغاز خود سے — پھر دوسروں سے،نماز کے ساتھ کردار،علم کے ساتھ اخلاق،نصیحت کے ساتھ تحمل،تبدیلی کے لیے نرمی،شہرت سے دور، اثر سے قریب

حضرت کا سماجی اثر — زبانی نہیں، عملی روشنی

ایک بزرگ نمازی نے فرمایا:حضرت نے ہمیں سمجھاتے،صرف اپنے عمل سے دکھاتے۔اگر کسی نے سختی سے بات کی،حضرت خاموش ہو جاتے۔اگر کسی نے بدظنی کی،حضرت دعا دے دیتے۔وہ سماج کو پڑھتے نہیں،سنوارتے تھے۔”

باب انیس

عوامی اعتماد — ہر طبقہ کا عقیدت مند

تمہید

قبلہ مفتی صاحب نہ صرف علم و عمل کے پیکر تھے بلکہ عوام الناس کے دلوں کی دھڑکن بھی تھے۔ ان کی ذات میں ایسا توازن، خلوص، اور سچائی تھی کہ ہر طبقہ کا فرد — خواہ وہ عالم ہو یا عامی، نوجوان ہو یا بزرگ، تاجر ہو یا مزدور، مرد ہو یا خاتون — ان سے عقیدت رکھتا، ان پر اعتماد کرتا اور ان کی رہنمائی کو اپنے لیے باعثِ فلاح سمجھتا تھا۔

یہ باب اسی ہمہ گیر **عوامی مقبولیت، محبت، اور اعتماد** کی جھلکیاں پیش کرتا ہے، جو ان کی ہمہ جہت شخصیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

عوامی سطح پر محبت کی وسعت

حضرت کی محبت صرف مدرسہ کی چار دیواری یا خانقاہی حلقہ تک محدود نہ تھی۔ ان کے دروازے پر ہر طبقہ کے لوگ دستک دیتے — مسائل پوچھنے، دعائیں لینے، اصلاحی مشورہ کرنے، یا صرف دیدار کرنے۔

عام لوگوں کی زبان پر ایک ہی فقرہ ہوتا:

"حضرت جو کہیں گے، وہی درست ہوگا۔"

ان کا اندازِ گفتگو نرم، پُراعتماد اور ناصحانہ ہوتا تھا — نہ کسی کو شرمندہ کرتے، نہ مایوس واپس بھیجتے۔ وہ ہمیشہ کہتے:

"جس کا در کھلا ہو، وہ دل بھی کھلا رکھے۔"

مختلف طبقات کی وابستگی

طلبہ و نوجوان:

نوجوان طبقہ آپ سے خاص طور پر متاثر ہوتا — ان کے

خطابات میں جدید سوالات کے جوابات، اور دلائل کے ساتھ سچائی کی روشنی ہوتی ہے
کئی نوجوان حضرت سے رجوع کر کے راہِ ہدایت پر گامزن ہوئے۔ جدید تعلیم یافتہ طلبہ بھی ان کے استدلال اور اندازِ بیان سے متاثر ہوتے۔

تاجر و کاروباری افراد:

حضرت کی صداقت اور شفافیت کی وجہ سے تاجر طبقے میں بھی ان کا مقام منفرد تھا۔ کئی تاجر مشورہ لینے آتے، اور اپنے معاملات میں شرعی رہنمائی حاصل کرتے۔

انہوں نے فرمایا:

"کاروبار صرف منافع سے نہیں، اعتماد سے چلتا ہے — اور اعتماد ایمان کی شاخ ہے۔"

خواتین:

خواتین بھی حضرت کی مجالسِ اصلاح، دعاؤں، اور راہنمائی سے مستفید ہوئیں۔
گھریلو مسائل، بچوں کی تربیت، پردہ، اور دیگر معاشرتی موضوعات پر ان کی باتیں پُراثر ہوتیں۔
کئی خواتین نے حضرت کے خطابات سن کر اپنی زندگی کا رخ بدل لیا۔

مزدور و غریب طبقہ:

حضرت کے دل میں کمزور طبقے کے لیے خاص شفقت ہوتی۔ وہ کسی کی کمی یا غربت کو حقارت سے نہیں دیکھتے، بلکہ دعاؤں، امداد، اور عزت کے ساتھ نوازتے۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ:

"ایک مزدور حضرت کے در پر آیا، کپڑے پر دھول تھی — حضرت نے اپنے ہاتھ سے اسے بٹھایا، اور فرمایا: 'یہ محنت کی خاک ہے، جسے تاج کے برابر سمجھو'۔"

عوامی مجالس میں مقبولیت

حضرت کی مجالس میں ہر مکتبِ فکر، ہر عمر، اور ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ شریک ہوتے۔

ان کی تقاریر میں **فہم، اخلاص، اور سچائی** ہوتی — جو دل کو چھو لیتی۔

وہ **بے لاگ، حق گو، لیکن دل نشین** انداز میں

بات کرتے تھے۔

غیر مسلموں کے تاثرات

حضرت کے حسنِ اخلاق اور نرم رویے سے بعض غیر مسلم افراد بھی متاثر ہوئے:

ایک غیر مسلم استاد نے فرمایا:

ایسے عالم کم دیکھے، جو بغیر مذہبی تعصب کے انسانیت سے بات کریں۔”

کچھ جگہوں پر ان کے حسنِ سلوک کے سبب غیر مسلموں نے اسلام کے بارے میں دلچسپی ظاہر کی — اور بعض نے حضرت کے ہاتھ پر **اسلام قبول** کیا۔

عوامی اعتماد کی مثالیں

کئی علاقوں میں حضرت کے فیصلے کو **’فیصلہ شرعی‘** مانا جاتا — گویا وہ ایک متفقہ رائے کے نمائندے تھے۔

وہ جہاں جاتے، لوگ استقبال کے لیے جمع ہو جاتے — نہ صرف عقیدت کے لیے بلکہ اپنی محبت کے اظہار کے لیے۔

ان کی زبان سے نکلنے والا جملہ لوگوں کے لیے **حکم** کی حیثیت رکھتا تھا — کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت کی نیت خالص، علم مضبوط، اور دل صاف ہے۔

عوامی خدمت کا رجحان

حضرت نے ہمیشہ عوامی بھلائی کو فوقیت دی:مفلسوں کی مدد

بیماروں کی عیادت یتیموں کے اخراجات تعلیم کے مواقع پیدا کرنا

کئی تعلیمی ادارے، مدرسے، اور مدارس اُن کے مشورے سے قائم ہوئے — جن میں آج بھی حضرت کے مشن کو جاری رکھا جا رہا ہے۔

باب بیس

آخری ایام — بیماری، وصیت، رحلت

تمہید

ہر زندگی کا اختتام ہے، مگر کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی جدائی صرف جسمانی ہوتی ہے — ان کی روح، تعلیمات، اور دعاؤں کی تاثیر زندہ رہتی ہے۔
قبلہ مفتی صاحب کی حیاتِ طیبہ کا آخری باب بھی **صبر، رضا، اور توکل** سے بھرپور تھا۔ بیماری کے ایّام میں بھی ان کی زبان ذکرِ الٰہی، محبتِ رسول ﷺ، اور امت کی خیرخواہی سے تر رہی۔
یہ باب ان ہی مبارک لمحات، وصیتوں، اور رحلت کے روح پرور واقعات کا عکس ہے۔

بیماری کا آغاز

حضرت کی صحت اکثر مضبوط اور متوازن رہی، مگر آخری چند سالوں میں طبیعت میں کمزوری آنے لگی تھی۔
ایک خاص **جسمانی کمزوری اور نقاہت** کا احساس اکثر ہوتا، مگر وہ اپنی مجالس، تدریس، اور تحریر کا معمول جاری رکھتے۔
اہلِ خانہ اور عقیدتمند کئی بار عرض کرتے کہ آپ آرام فرمائیں، مگر آپ فرماتے:
“جب تک زبان حق بول سکتی ہے، دل سچائی پر قائم ہے، اور قلم رواں ہے — یہ سب نعمتیں عبادت میں لگنی چاہییں۔”
سنجیدہ بیماری کی ابتدا ایک معمولی بخار سے ہوئی، جو بعد ازاں طویل و پیچیدہ ہوگیا۔

عیادت اور دعاؤں کی مجالس

حضرت کے مرض کے علم ہوتے ہی عقیدت مندوں، شاگردوں، اور علما کا تانتا بندھ گیا:

عیادت کے لیے آنے والوں کو حضرت دعائیں دیتے، صبر و رضا کا درس دیتے، اور ہر ایک کو اپنے علم کا کچھ نہ کچھ موتی عطا کرتے۔ فرمایا:

“یہ بیماری بھی اس کی عطا ہے، شاید اس میں مجھ گناہگار کی بخشش کا سامان ہو۔”

ان مجالس میں بھی حضرت کا انداز وعظ، ادب، اور دعا کا ہوتا۔ اکثر اپنی طبیعت کی شدت چھپا کر مہمان کا دل خوش رکھتے۔

وصیتیں

حضرت نے اپنی زندگی کے آخری ایّام میں کئی اہم وصیتیں کیں، جن کا تعلق صرف ذاتی معاملات سے نہیں بلکہ **دینی امانت، علمی روایت، اور روحانی تربیت** سے بھی تھا۔

علمی وصیت:

فرمایا:

“میرے بعد علم کو نشانِ تفاخر نہ بنانا، بلکہ نشانِ خدمت رکھنا۔ علم وہی جو امت کی راہ سنوار دے۔”

اپنے شاگردوں کو تاکید کی کہ:

“فتویٰ احتیاط سے دینا، محبت سے سمجھانا، اور سچائی سے نہ ہٹنا۔”

خانقاہی وصیت:

مریدین کو تلقین فرمائی کہ:

“ذکر و شکر، ادب و وفا، اور اخلاص کو ہمیشہ پہچان بنانا۔ میری نسبت کی لاج محبت، عاجزی، اور اتباعِ سنت میں ہے۔”

عائلی وصیت:

اہلِ خانہ کو فرمایا:

میرے لیے روؤ نہیں، دعا کرو — میری سب خوشی تمہاری دینی پختگی اور صبر میں ہے۔”

آخری لمحات

حضرت کے آخری لمحے بھی ذکر، درود، اور اشکوں

میں بھیگے ہوئے تھے۔
زبان پر **کلمہ طیبہ**، آنکھوں میں نور، اور چہرے پر اطمینان کی کیفیت تھی۔
آپ کے شاگرد اور مخلصین پاس موجود تھے، اور ماحول میں **تقدس، سکون، اور نرمی** کا رنگ غالب تھا۔حضرت نے آخری لمحے فرمایا:
“میں جا رہا ہوں، مگر میرا کام، میری دعا، اور میری نسبت — ان سب میں خیر چھپی ہے۔۔ علم کو صدقہ بنا لینا۔**اور اس دن کی آخری نماز عشاء بھی ادا کی**”
اور پھر بعد از نمازعشاءآپکی طبیت میں ناسازی کی وجہ سے ہسپتال جاتے ہو ئے تلاوت قرآنی سے لب تر تھے کہ نورانی لمحہ میں روح پرواز کر گئی —

انا للہ و انا الیہ راجعون

نمازِ جنازہ اور تدفین

حضرت کی وفات کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیلی۔ ہر طبقے کے افراد، علماء، مشائخ، عقیدت مند، اور طلبہ جوق در جوق پہنچے۔
نمازِ جنازہ ایک **عظیم الشان اجتماع** میں ادا کی گئی — جس میں ہزاروں افراد شامل تھے۔
حضرت کو اُن کے آبا ئ مقام پر سپرد خاک کیا گیا — جہاں آج بھی ان کا مزار پرانوار لوگوں کے دلوں کو منور کر رہا ہے۔

بعد از وفات اثرات

حضرت کی رحلت نے ہر دل کو غمگین کیا، مگر ان کی تعلیمات، سادگی، اخلاص، اور روحانی نسبت نے لوگوں کو حوصلہ دیا۔
ان کے شاگرد، ادارے، خانقاہی حلقے، اور فتویٰ جات

آج بھی ان کے کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ان کا نام صرف **یادگار** نہیں، بلکہ **تحریک، روش، اور نظام** کی علامت بن چکا ہے۔

اختتامیہ:

قبلہ مفتی صاحب کا وصال ایک **روحانی قافلے** کا رُک جانا ضرور تھا، مگر اس قافلے کے قدموں کی گرد آج بھی **دلوں کو جھنجھوڑتی، روحوں کو جگاتی، اور امت کو جوڑتی** ہے۔

ان کے آخری ایّام بھی **ایمان، علم، وفا، اور رضا** کا درس دیتے ہیں۔

“یہ شخص چلا گیا، مگر وہ چراغ جلا گیا — جو ہر شب میں امید کی روشنی بن جائے۔”

باب اکیس

افکار کا تسلسل، ادارے، شاگرد — وراثتِ عظمت

علمی ورثے کا تحفظ، عملی نسبت کا اظہار، اور مستقبل کا لائحہ عمل

علمی ورثے کا تحفظ — حضرت کی فکر کو مٹنے نہ دینا

علمی وراثت وہ خزانہ ہے جو دیواروں میں قید نہیں، بلکہ دلوں میں محفوظ ہوتی ہے — مگر اس کا تحریری تحفظ بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ نسلیں اس سے فیض پائیں۔

حضرت کے وصال کے بعد، اہلِ خاندان، شاگردانِ باوفا، اور خلفاء نے حضرت کے علمی، فکری اور روحانی ذخیرے کو **مرتب، محفوظ، اور عام** کرنے کا بیڑا اٹھایا۔

تدوین و اشاعت کے منصوبے

زیر ترتیب کتب:

مکتوباتِ عظمت — خطوط، وصایا، ذاتی پیغامات

خطباتِ حکمت و محبت — جمعہ و عیدین کے خطبات

نور الفتاویٰ — منتخب فتاویٰ کا تربیتی ذخیرہ

درّ السلوک — حضرت کے ملفوظات و تصوفی اشارات

نقوشِ عظمت — حضرت کی حیات و افکار پر تحقیقی مضامین

کام کی نوعیت:

قلمی نسخوں کی کمپوزنگ

آڈیو خطابات کو تحریر میں ڈھالنا یادداشتوں،
ڈائریوں اور سوانحی اقتباسات کا یکجا کرنا

جاری تربیتی نظام — نسبت کو فکر میں بدلنا

حضرت کی نسبت کو صرف تعویذ یا سند نہیں بنایا گیا — بلکہ **عملی تربیت، مسلسل تزکیہ، اور فکری رہنمائی** کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ **تربیتی مجالس میں شامل:** ہفتہ وار "درسِ نسبتِ عظمت" ماہانہ "مجلسِ تربیت الخلفاء" تربیتی و تصوفی کیمپ آن لائن حلقۂ ذکر و اصلاح سالانہ "یومِ عظمت" جس میں حضرت کے مشن کو دہرا کر تجدیدِ عہد کیا جاتا رہے گا۔

دعوتِ فیضان — جدید ذرائع سے فکرِ عظمت کی ترسیل

حضرت کے شاگرد اور خلفاء نے:
یوٹیوب چینلز
سوشل میڈیا صفحات
آن لائن دارالافتاء
اور اسلامی بلاگز کے ذریعے حضرت کے افکار، وعظ، اور تحریرات کو نرم زبان، پُراثر انداز، اور مستند حوالوں کے ساتھ عام کرنا شروع کیا ہے۔

نتائج: نوجوان نسل کو مسلکِ رضا سے محبت

اصلاحی رجحان میں اضافہ روحانی مشق و اذکار کا رجحان ماں باپ کی خدمت، نماز کی پابندی، اور باکرداری کی تربیت **نسبت کی علامت — علم، عمل، حلم**
حضرت کے شاگردوں کی پہچان صرف عمامہ، جبہ یا لقب نہیں —بلکہ ان کے اندر:علم کی گہرائی, عمل کی سچائی, حلم و صبر کی روشنی حضرت کی نسبت کو ظاہری نہیں، **باطنی طور پر ظاہر کرتی** ہے۔

حضرت کی وصیت:

“اگر میرا شاگرد اونچا بولے،سخت دل ہو،یا ریاکار بنے —تو وہ میرا نہیں،میری نسبت کا دھوکہ ہے۔میرے نسبتی وہ ہیں جو دین کو **ادب اور عجز کے ساتھ** جیتے ہیں۔

نسبت کی تربیت — اولاد اور اگلی نسل

حضرت کے بیٹے، پوتے، بھتیجے، اور عزیز شاگردوں کی نئی نسل کو:نماز، علم، ادب، اخلاق، خدمت، صدقہ و خیرات جیسی صفات کے ذریعے حضرت کی نسبت سے جوڑا جا رہا ہے۔یہ بچے اور نوجوان:حفظِ قرآن، دروسِ حدیث، فقہ، خطابت صبر و خاموشی، وقت کی پابندی، دوسروں کا احترام جیسی صفات کے ساتھ حضرت کی میراث کو زندہ رکھنے والے بن رہے ہیں۔

نسبت کا اثر — علاقائی، قومی، عالمی سطح پر

علاقائی سطح:درجنوں مساجد میں حضرت کے شاگرد خطابت، تدریس اور اصلاح کے منصب پرمحلے کی سطح پر حضرت کے نام سے قائم "فیضانِ عظمت ویلفیئر سیل عنقریب شاندار افتتاح”

قومی سطح:علماء، مشائخ، اور طلباء کے درمیان حضرت کی فکر کو بطور "نمونۂ امتِ معتدل " تسلیم کیا جاناجامعہ قادریہ کی شہرت اور اثر

عالمی سطح:یورپ، امریکہ، خلیج میں حضرت کے خلفاء کی تدریسی و دعوتی سرگرمیاں آن لائن ذکرِ عظمت کی عالمی محفلیں غیرمسلموں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے “اخلاقِ عظمت کورسز”

مستقبل کا لائحہ عمل

نسبت سے تحریک تک حضرت کی نسبت کو محفوظ رکھنے کے لیے آئندہ منصوبہ:

حضرت کی مکمل سوانح "سفرِ عظمت"

کی عالمی اشاعت
آن لائن "مکتبہ عظمت" — حضرت کی تمام کتب و خطبات پر مشتمل ڈیجیٹل لائبریری
"مدرسۂ عظمت النور" — نئے طلباء کے لئے ہمہ جہتی تربیت کا ادارہ
"مجلسِ فکرِ عظمت" — علمی و فکری تحقیقی سیمینارز اور مضامین کی اشاعت
"خانقاہِ عظمت" — روحانی مجاہدہ، ذکر، تربیت اور بیعت کے لیے ایک مرکز

عنقریب شاندار افتتاح

قلم کی آخری سطر — ایک دینی عہد، روحانی نسبت، اور امت کے نام محبت نامہ

یہ کتاب صرف سوانح نہیں — یہ فیضانِ قلب کی روداد ہے۔

یہ سوانح، یہ تحریر، یہ سفر صرف ایک فردِ واحد کی زندگی نہیں —بلکہ **علم، محبت، خدمت، قربانی اور خدا ترسی** سے لبریز ایک صدی کے فیضان کی تفصیل ہے۔حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد عظمت علی شاہ قادری نوری رحمہ اللہ علیہ کا ہر عمل، ہر لفظ، ہر مسکراہٹ
اپنے پیچھے ایک **تحریک، ایک نظامِ تربیت، اور ایک دعوتِ حق** چھوڑ گئی۔

ان کا نام ایک شخصیت نہیں — ایک پیغام ہے

ان کا علم — راہِ شریعت ان کا حلم — خلق کے لیے رحمت ان کی محبت — مصطفوی سنت اوران کی خاموشی — تزکیۂ باطن وہ صرف سوانح کے صفحے پر نہیں،بلکہ امت کے دلوں، شاگردوں کے اعمال، اور روحانی قلوب میں بس چکے ہیں۔

اہلِ خانہ و محبین کا ذکرِ وفا — عزتوں کے وارث

اس کتاب کی ترتیب، تحقیق، اور تکمیل صرف قلم سے نہیں ہوئی —بلکہ اس میں بہت سی **دعاؤں، قربانیوں، نیتوں، اور صبر کے سائے** شامل ہیں جن کا شکریہ لفظوں میں ممکن نہیں:

ادارۂ نشرو اشاعت عظمت العلماء وزینت الفقہاء یہ ادارہ فقط ایک نام نہیں بلکہ "فکرِ عظمت" کا محافظ اور ترجمان ہے۔

اس کے تحت اس سوانح کو ترتیب دینا، محفوظ کرنا، اور نشر کرنا ایک دینی ذمہ داری اور روحانی خدمت ہے۔

جناب جانشینِ عظمت العلماء پیر الحافظ سید محمد فرحان علی قادری

جنہوں نے نہ صرف اپنی روحانی نسبت کو سنبھالا، بلکہ اس علمی فیضان کو دنیا کے سامنے مکمل اعتماد، وفا، اور اخلاص کے ساتھ پیش کیا۔

جناب صاحبزادہ سید محمد نعمان علی قادری .

جنہوں نے علمی مشاورت، تنظیمی تدبیر، اور روحانی حمایت سے قدم قدم پر اس سفر کو استقامت دی۔

جناب برادر سید محمد احسن علی قادری .

جو تحقیق، تاریخی حوالہ جات، اور مواد کی جمع و ترتیب میں **ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت** رکھتے ہیں۔

فرزندِ نیک اختر سید محمد حسن علی قادری .

جن کے معصوم وجود، نیت اور نسل میں حضرت کے فیضان کے تسلسل کی جھلک ہے۔

والدۂ محترمۂ .

جن کی دعاؤں، خاموشی، صبر اور تربیت نے اس عظیم مشن کو **روحانی طاقت** دی۔

تمام اہلِ خانہ — جنہوں نے وقت، وسائل، اور جذبات کی قربانی دے کر اس علمی، روحانی مشن کو مکمل کرنے میں حصہ لیا۔

جناب علامہ سید محمد شہباز علی قادری —

اس کتاب اور مشن کی **روحِ رواں**، فکری قوت، مشاورتی ستون، اور عملی راہنما
جن کے بغیر یہ سفر نامکمل رہتا۔

محترم چچا سید محمد صابر علی نوری،والسیدمحمد انوارعلی نوری

جو ہمیشہ در پردہ دعاؤں، حمایت، اور مشورے کے ذریعے حضرت کے فیضان کو قائم رکھنے میں شریک رہے۔

یہ کتاب اب مکمل ہوئی ہے — مگر حضرت کا فیضان جاری رہے گا

ہر وہ شخص جو:غمگین ہو،الجھا ہو،علم کا طالب ہو،راہِ حق کا سالک ہو
→ وہ اس کتاب میں **حضرت کے قدموں کا عکس، اُن کی زبان کی دعا، اور اُن کے دل کی آہ** پائے گا۔

حضرت کے آخری پیغامات، آخری طرزِ دعا:

“اے امت! اگر تم چاہو تو سیرتِ مصطفیٰ ﷺ تمہیں عزت بھی دے سکتی ہے، اور قیادت بھی۔ بس اکٹھے ہو جاؤ، اور علم و عمل کے سائے میں پل جاؤ۔ دنیا فریب ہے۔ —
دین، مصطفیٰ کا راستہ ہے۔ محبت، نسبت، اخلاص — یہی میری دعوت ہے۔”

ہماری ذمہ داری — وراثت کو تحریک بنانا

یہ کتاب ختم ہوئی، مگر کام ابھی باقی ہے۔ حضرت کا فیضان مدارس میں, ان کی نسبت خانقاہوں میں, ان کی فکر منبروں پر, ان کی خدمت عوام میں
→ اور ان کی دعا **امت کی ہر نسل میں جاری رہے گی** — ان شاء اللہ

اختتامی دعائیہ کلمات:

یا رب! یہ کتاب اگر تیرے کسی بندے کے دل کو بدل دے تو اسے حضرت کی طرف منسوب کر دے۔
اگر کوئی گمراہ راہ پائے، تو اسے حضرت کے قدموں سے جوڑ دے۔ اور اگر کسی طالبِ علم کو ہدایت ملے،
تو اسے "فیضانِ عظمت" کہہ دے۔

کتاب "سفرِ عظمت" مکمل ہوئی!

یہ صرف سیرت نہیں، ایک دعوت ہے — اور ہر قاری کے لیے ایک راستہ، ایک چراغ، ایک عہد ہے

اختتامیہ — سفرِ عظمت کا پیغام

زندگی ایک سفر ہے، اور کچھ ہستیاں وہ ہوتی ہیں جو اس سفر کو صرف طے نہیں کرتیں بلکہ دوسروں کے لیے **راہبر، مینار، نور، اور منزل کا پتہ** بن جاتی ہیں۔

قبلہ مفتی صاحب کا یہ "سفرِ عظمت" محض ایک فرد کی حیات کا بیان نہیں — بلکہ ایک **نظامِ علم، عمل، روحانیت، دعوت، اور قیادت** کا نقشہ ہے۔

کتاب صرف ان کے حالات زندگی نہیں، بلکہ ایک عہد کی کہانی، ایک تحریک کی روح، اور ایک فکر کی جاودانی ہے۔

زندگی کا خلاصہ

حضرت کی حیات میں ہمیں وہ تمام پہلو ملتے ہیں جو ایک کامل مسلمان، عاشقِ رسول، خادمِ دین، اور سچے درویش میں ہوتے ہیں:

میں رسوخ	میں اخلاص	ت میں درد	میں جرأت	ف میں صفا	میں روشنی

انہوں نے مسلکِ اہلِ سنت کی عظمت، امام احمد رضا کی فکر، اور بزرگانِ دین کی روایت کو اپنی ذات میں سمویا اور اگلی نسلوں تک پہنچایا۔

علمی، روحانی، اور اخلاقی وراثت

حضرت کی وراثت صرف الفاظ یا عنوانات کی نہیں بلکہ ایک **زندہ تہذیب، شعور، اور طرزِ حیات** کی شکل میں ہے۔ ان کے شاگرد، ادارے، خانقاہیں، اور مریدین — سب اس بات کی گواہی ہیں کہ:

“جو دنیا سے چلا جائے مگر اس کا فیضان باقی رہے — وہی اصل میں زندہ ہے۔”

ہمارے لیے پیغام

یہ کتاب لکھتے ہوئے صرف یادیں نہیں اُبھریں، بلکہ ایک **ذمہ داری کا احساس** بھی بیدار ہوا — کہ:

ہم علم کے چراغ بجھنے نہ دیں	**ہم عقیدے کی اصل کو کھو نہ دیں**	**ہم اخلاص اور محبت کی راہ کو چھوڑ نہ دیں**	**ہم دین کی خدمت کو فقط نام نہ بنائیں،** مشعلِ عمل **بنائیں**	**حضرت کی حیات ہمیں سکھاتی ہے کہ** عظمت کا سفر **عاجزی، خدمت،**

تقویٰ، علم، اور استقامت کے راستے سے گزرتا ہے۔

دعا اور اختتامی کلمات

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ:

حضرت کی مغفرت فرمائے۔

ان کے درجات بلند فرمائے۔

ان کے فیوضات و برکات ہمیں، ہماری نسلوں، اور پوری امت کو عطا فرمائے۔

ہمیں بھی اس "سفرِ عظمت" پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمہیدِ عجز و نیاز:

الحمد للّٰہ وحدہ، والصلوٰۃ والسلام
علی من لا نبی بعدہ، و علی آلہ و اصحابہ
اجمعین۔

فقیرِ کم علم و بے بضاعت، العبد الضعیف، المحتاج الی رحمۃ ربہ اللطیف، نے اپنی ناقص فہم و قلیل ہمت کے مطابق حتی المقدور سعی و کاوش کی ہے کہ ان اوراقِ ناچیز میں کوئی خلل یا کوتاہی باقی نہ رہنے پائے، لیکن چونکہ الکمال للّٰہ وحدہ اور العصمۃ للانبیاء علیہم السلام ہے، اس لئے اگر اس تحریرِ ناتمام میں کوئی خطا، سہو یا لغزش صادر ہو گئی ہو، تو وہ محض قصورِ فہم اور بشری کمزوری کا شاخسانہ ہے۔

اربابِ علم و اہلِ بصیرت کی خدمت میں نہایت ادب و نیاز کے ساتھ دست بستہ عرض ہے کہ اگر کوئی کجی یا خطا نظر آئے تو از راہِ کرم اصلاح فرما کر سرفراز فرمائیں۔

وما علینا إلا البلاغ المبین

واللّٰہ أعلم بالصواب

هو حسبی و نعم الوکیل

آخر میں بارگاہِ ربِّ قدیر میں دست دعا بلند کرتا ہوں:

اللّٰہم اجعلہ خالصاً لوجهک الکریم، و اجعلہ ذُخراً لی و لوالدی یوم لا ینفع مال و لا بنون إلّا من أتی اللّٰہ بقلبٍ سلیم۔

رابطہ نمبر: **0333-275241**

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ